مارچ، اپریل ۲۰۲۶ء
MARCH, APRIL 2026

مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماے اہلسنت کے افکار و نظریات کا ترجمان

الرضا انٹرنیشنل پٹنہ

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna

مدارس اسلامیہ کا نصاب: فکری وراثت سے عملی قیادت تک (اداریہ)

تمام عالم اسلام کو
عیدالفطر مبارک

- حالات کے تناظر میں مدارس کے نصاب میں تجدید کی ضرورت (مباحثہ)

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد

مزید اس شمارے میں!

- اللہ میاں کہنے کی بحث
- پیغمبر اسلام کی عائلی زندگی کی نورانی کرنیں
- پیغمبر اسلام کے طبی فرمودات
- پیغمبر اسلام کے غیر ملکی سفرا
- عہد نبوی کا تمدن ایک جائزہ
- حضرت مخدوم جہاں کی فقہی بصیرت
- تفضیلیوں کو سنی قرار دینے کے نتائج
- مدارس اسلامیہ کے طلبہ اور معاشی خود کفالت
- استاذ الکلما حضرت مولانا محمد رحیم بخش آروی
- امام احمد رضا اور درود یہ سیرت نگاری

بیادگار:

امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری
قدس سرہ العزیز

بظلِ روحانی

حجۃ الاسلام حضرت علامہ الشاہ
محمد حامد رضا خاں قدس سرہ العزیز

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ
محمد مصطفیٰ رضا نوری قدس سرہ العزیز

بفیضِ روحانی

جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ حضرت علامہ
الشاہ مفتی اختر رضا خاں قادری رضوی الازہری قدس سرہ العزیز

زیر عاطفت

محدث کبیر حضرت علامہ الحاج الشاہ
ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی مدظلہ العالی جامعہ امجدیہ

مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے افکار و نظریات کا ترجمان

دوماہی الرضا انٹرنیشنل پٹنہ

جلد نمبر ۱۰

شمارہ نمبر ۵۵

Bimonthly **AL-RAZA** (International) **Patna**

جنوری تا اپریل ۲۰۲۶ء Jan. to Apr. 2026

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد، پٹنہ

نائب مدیر

احمد رضا صابری، پٹنہ

سر پرست مجلس ادارت

شہزادہ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ عسجد رضا خاں قادری مدظلہ العالی

مجلس ادارت

● مفتی ذوالفقار خان نعیمی ● مولانا بلال انور رضوی مصباحی، جہان آباد ● غلام مصطفیٰ نعیمی دہلی ● مولانا جمال انور رضوی کلیر، جہان آباد ● مولانا قمر الزماں مصباحی ● مولانا سید شاہ عبد القادر جیلانی میاں ممبئی ● مولانا مستقیم احمد رضوی ناگپور ● مولانا ابو محامد غزالی ناگپور ● ڈاکٹر شفیق اجمل قادری بنارس ● مولانا عبد الرحیم نشتر فاروقی ● مولانا حماد رضا قادری پٹنہ

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

دوماہی **الرضا انٹرنیشنل**، پٹنہ

پتہ: القلم فاؤنڈیشن، گراؤنڈ فلور، جامعہ حضرت فاطمہ
عالم گنج، پٹنہ (بہار) ۸۰۰۰۰۶

Cont. 9835423434 / 8521889323 / 9508881232

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna
C/o. AL-QALAM FAOUNDATION
Jamia Hazrat Fatima, Alamganj
Patna - Pin. No. 800006
E-mail: alraza1437@gmail.com

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) amjadrazaamjad@gmail.com/9835423434
رابطہ: (مدیر) ahmadrazasabri@gmail.com/ 8521889323

قیمت فی شمارہ: ۳۰/ روپے، سالانہ ۱۸۰/ روپے بیرون ممالک سالانہ 25/ امریکی ڈالر

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرسالانہ ختم ہو چکا ہے
برائے کرم اپنا زرسالانہ ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ بروقت موصول ہو سکے۔

قانونی انتباہ! مضمون نگار کی آرا سے ادارہ ''الرضا'' کا اتفاق ضروری نہیں! کسی بھی مسئلہ میں ادارہ الرضا کا موقف وہی ہے جو اعلیٰ حضرت کا ہے اس کے خلاف اگر کوئی مضمون دھوکہ میں شائع ہو بھی جائے اسے کالعدم سمجھا جائے، کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف پٹنہ کورٹ میں قابل سماعت ہوگی۔

پرنٹر پبلشر احمد رضا صابری ڈائریکٹر احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹیڈ) نے سبزی باغ سے طبع کر کے دفتر دوماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ سے شائع کیا۔

فہرست مشمولات

مشمولات

منظومات

* نعتیہ کلام — اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ — 3

اداریہ

* مدارس اسلامیہ کا نصاب: فکری وراثت سے عملی قیادت تک — ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ — 4

تاثرات

* پروفیسر فاروق احمد صدیقی
* سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی امریکہ
* مفتی احسن رضا قادری
* ٹی ایم ضیاء الحق
* مولانا اشکر رضا لطفی — 8

آپ کا سوال

* اللہ میاں کہنے کی بحث — فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی — 13

تنویر سیرت

* پیغمبر اسلام کی عائلی زندگی کی نورانی کرنیں — مفتی جمیل احمد رضوی — 16
* پیغمبر اسلام کے طبی فرمودات — مفتی منظر مصطفےٰ ناز صدیقی — 22
* پیغمبر اسلام کے غیر ملکی سفرا — علامہ علوی مالکی علیہ الرحمہ — 26
* عہد نبوی کا تمدن ایک جائزہ — مولانا محمد فاروق اعظم شمسی — 29

فکر و نظر

حضرت مخدوم جہاں کی فقہی بصیرت ۔۔۔۔۔ — مولانا طفیل احمد مصباحی — 34

* تفضیلیوں کو سنی قرار دینے کے نتائج — مولانا فیضان سرور مصباحی — 39
* مدارس اسلامیہ کے طلبہ اور معاشی خود کفالت — مفتی انیس الرحمٰن حنفی رضوی — 42

مباحثہ

* حالات کے تناظر میں مدارس کے نصاب میں تجدید کی ضرورت — 44
* احمد جاوید دہلی
* سید منور علی شاہ بخاری قادری
* مولانا جمال انور رضوی
* مولانا اشکر رضا لطفی مصباحی

اوراق گم گشتہ

* انک لاتھدی من احببت: کا حقیقی مفہوم — علامہ سعید احمد کاظمی — 54

یاد رفتگاں

* استاذ الکلما حضرت مولانا محمد رحیم بخش آروی — مفتی محمود احمد رفاقتی — 60

مطالعہ رضویات

* امام احمد رضا اور درود یہ سیرت نگاری — پروفیسر دلاور خان — 62

* * *

منظومات

حسان الہند امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی

لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا

جان دے دو وعدۂ دیدار پر
نقد اپنا دام ہو ہی جائے گا

شاد ہے فردوس یعنی ایک دن
قسمت خدام ہو ہی جائے گا

یاد رہ جائیں گی یہ بے باکیاں
نفس تو تو رام ہو ہی جائے گا

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

یاد گیسو ذکر حق ہے آہ کر
دل میں پیدا لام ہو ہی جائے گا

ایک دن آواز بدلیں گے یہ ساز
چہچہا کہرام ہو ہی جائے گا

سائلو! دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا

یاد ابرو کر کے تڑپو بلبلو!
ٹکڑے ٹکڑے دام ہو ہی جائے گا

مفلسو ان کی گلی میں جا پڑو
باغ خلد اکرام ہو ہی جائے گا

گر یونہی رحمت کی تاویلیں رہیں
مدح ہر الزام ہو ہی جائے گا

بادہ خواری کا سماں بندھنے تو دو
شیخ دُرد آشام ہو ہی جائے گا

غم تو ان کو بھول کر لپٹا ہے یوں
جیسے اپنا کام ہو ہی جائے گا

مٹ کہ گر یونہی رہا قرض حیات
جان کا نیلام ہو ہی جائے گا

عاقلو! ان کی نظر سیدھی رہے
بوروں کا بھی کام ہو ہی جائے گا

اب تو لائی ہے شفاعت عفو پر
بڑھتے بڑھتے عام ہو ہی جائے گا

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

مدارس اسلامیہ کا نصاب:
فکری وراثت سے عملی قیادت تک

■ ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد
قاضی شریعت مرکزی دارالقضا ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ

مدارس اسلامیہ عمارتوں کا نام نہیں، اسلامی اقدار کے تحفظ، دینی بصیرت کے فروغ، عشق محمدی کے احیا واستحکام اور بحیثیت قوم مسلمانوں کو زندہ رکھنے کی تحریک ہیں۔ یہ سلامت ہیں تو اسلام سلامت ہے، مذہبی شعائر سلامت ہیں، محراب ومنبر کی رونقیں سلامت ہیں۔ گھروں میں اسلام کی شمع انہیں سے روشن ہے، سماج میں توحید کے نغمے اور نعت رسول کی صدائیں بھی مدارس ہی کی دین ہیں، دین کے نام پہ مرنے اور اپنے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت پہ جاں نثار کردینے کے جذبے بھی انہیں مدارس کا صدقہ ہیں۔ یہ مدارس جو کہیں جھوپڑی، کہیں ٹین کی شیڈ، کہیں ٹوٹی چٹائی تو کہیں عالیشان عمارت میں نظر آتے ہیں انہوں نے ہی تین سو سال سے دین کو بچا بچا کے رکھا اور سنبھال سنبھال کے آگے بڑھایا ہے۔ یہی وہ قلعے ہیں جن کی فصیلوں پر شب بیداری کی آہیں، سجدوں کی چاپ اور قلم کی روشنائی نے پہرہ دیا ہے۔ تاریخ کے طوفان آئے، سلطنتیں مٹ گئیں، تخت الٹ گئے، مگر ان مدارس کی چراغاں محفلیں بجھ نہ سکیں۔

مدارس کا ایک دور وہ بھی تھا جب مدارس بادشاہوں کے خزانے سے چلا کرتے تھے، ان کے سرپرست بادشاہ یا وزیر ہوا کرتے تھے اور علما و مدرسین کی تنخواہیں شاہی خزانے سے ادا ہوتی تھی۔ (۱) جامعہ القرویین (مراکش) (۲) جامعۃ الازہر (قاہرہ) (۳) ''جامعہ قرطبہ'' (اندلس) (۴) مدرسہ نظامیہ (بغداد (۵) مدرسہ معزی (دہلی) (۶) مدرسہ فیروز شاہی (دہلی) (۷) مدرسہ الغ بیگ (سمرقند) ایسے ہی مدارس ہیں جنہیں امرا و سلاطین کی سرپرستی حاصل رہی اور ان مدارس نے اپنے اپنے عہد میں دینی قیادت کے ساتھ سلطنت کے امور سنبھالے والے افراد اور حدیث وتفسیر وتاریخ پہ گرانقدر کام کرنے والی عظیم شخصیات کے ساتھ سائنسی علوم میں مہارت رکھنے والے جیالے پیدا کئے۔ دور خلافت سے مغلیہ عہد تک مدارس کی ایک شان رہی، مگر مغل دور کے خاتمہ کے ساتھ ہی مدارس کا وہ دور اپنے اختتام کو پہنچا اور اسے اپنی بقا کے لئے ایک نہ ختم ہونے والی جدوجہد یعنی زکوٰۃ کی وصولی کا سہارا لینا پڑا۔ علمائے اسلام نے نیابت رسول کا فریضہ انجام دیتے ہوئے بڑی خوبصورتی اسلام کے نظام زکوٰۃ سے فائدہ اٹھایا اور زکوٰۃ کے مستحقین کی فہرست میں ''شرعی حدود وضوابط'' کی قید کے ساتھ مدارس اسلامیہ کو شامل کیا۔ آج تین سو سال سے جس میں انگریزوں کا دور استعمار شامل ہے علما نے عوامی تعاون سے اپنے مدارس کو کھڑا رکھا ہے گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تین سو سال سے اسلام کے نظام زکوٰۃ نے اسلام کو بچا کے رکھا ہے اگر یہ نظام نہ ہوتا تو مدارس اسلامیہ تاریخ کے مقبرے میں دفن ہو جاتے۔ یہ محض مالی نظام نہیں، بلکہ امت اور دین کے درمیان ایک روحانی معاہدہ ہے؛ ایک ایسا رشتہ جس نے اہلِ ایمان کو اپنے علمی مراکز سے جوڑے رکھا۔ اگر مدارس کے ختم ہو جاتے تو اسلام کا چراغ بھی یہاں فراموش ہو چکا ہوتا، جس طرح اسپین جہاں آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے حکومت کی، آج وہاں

اداریہ

اسلام کے نام لینے والے اس لئے نہیں کہ وہاں اسلام کو ختم کرنے کے لئے مدارس پہ تالے لگائے، نتیجہ میں قرآن پڑھنے والے نایاب ہوئے، اسلامی تعلیمات کی شمعیں گل ہوئیں اور پھر رفتہ رفتہ وہاں اسلام اور محض داستان بن کر رہ گئے۔ اس لئے یہ تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ اسلام کو بچانا ہے تو مدارس کو بچانا ہوگا اور جو لوگ اسے بچائے ہوئے ہیں وہ امت کے محسن ہیں۔

مدارس ہوں یا اسکول و کالج، سبھوں کا اپنا نصاب ہوتا ہے یہ نصاب بچوں کے مستقبل کے ساتھ ملک وقوم کے مفاد کو سامنے رکھ کر مرتب کئے جاتے ہیں۔ مدارس کا قدیم نصاب اس کی شہادت دیتا ہے کہ وہ کالج اور یونیورسیٹی کے نصاب کے معیار کے مطابق تھے بلکہ اس نصاب ہی نے کالج کے نصاب سازی میں بنیادی فکر فراہم کی۔ ہندوستان میں اٹھارویں صدی میں ملانظام الدین سہالوی نے مدرسہ کا ایک نصاب مرتب کیا، جس میں منطق، فلسفہ، ریاضی اور ادب کو شامل کیا تا کہ یہاں سے نکلنے والا فاضل صرف مسجد کا امام ہی نہیں، بلکہ قاضی، مفتی اور ریاست کا مشیر بن سکے۔ گویا مدارس کا نصاب ''قومی نصاب'' (National Curriculum) کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان مدارس سے صرف مسلمان ہی نہیں، بلکہ ہندو اور دیگر مذاہب کے لوگ بھی فیض پاتے تھے کیونکہ سرکاری مناصب تک پہنچنے کے لیے یہ مؤثر علمی راستہ تھا۔ مشہور ہندو اسکالر راجہ رام موہن رائے نے پٹنہ کے مدرسے سے قرآن اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ عظیم افسانہ نگار منشی پریم چند اور مغل وزیرِ خزانہ راجہ ٹوڈرمل نے مدارس ہی سے براہ راست فیض حاصل کیا۔ برسبیل تذکرہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور اس عہد کے علمائے اہل سنت کا ذکر بھی ناگزیر ہو جاتا ہے جو مدرسہ یا کسی عالم دین کے خصوصی فیض یافتہ تھے مگر فقہ وادب کے علاوہ انہوں نے دوسرے متعدد علوم وفنون پہ عبور حاصل کیا اور اس پہ اپنی صلاحیتوں کے گہرے نقوش چھوڑے۔ اس طرح مدارس سے استفادہ کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست بن سکتی ہے، مگر مقصود فہرست دکھانا نہیں، مدارس کے نصاب کی جامعیت بتانا ہے یہ حقیقت اس امر کی گواہ ہے کہ مدارس کبھی جامد نہیں رہے، بلکہ اپنے عہد کی فکری قیادت کرنے والے ادارے رہے ہیں۔

انگریزوں کے دور اقتدار میں آتے ہی چوں کہ اسلام اور علمائے اسلام ان کے مظالم کی زد میں آئے، مدارس کی طنابیں کھینچی جانے لگیں، عدالتوں سے قاضیان کرام کا ربط توڑا جانے لگا اور اسلام پہ خطرات کے بادل منڈلانے لگے تو علمائے اہل سنت نے ایسی صورت میں ترجیحات متعین کیں، اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کے لئے نصاب کا مزاج بدلا اور اسے جامعاتی نصاب کے بجائے دینی نصاب میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی، چنانچہ انہوں نے اس وقت جو نصاب بنایا تھا، اس نے دین کے تحفظ، شریعت اسلامی کے فروغ اور روح محمدی کی شمع کو باطل ہواؤں سے بچانے میں واقعی کامیابی حاصل کی۔ یہی وہ حکمت عملی تھی جس نے شکست خوردہ سیاسی فضا میں بھی مسلمانوں کو فکری طور پر زندہ رکھا۔ آج جو ہم مسلمان ہیں اور اسلام اور شعائر اسلام کے بچانے کی پاکیزہ فکر رکھتے ہیں یہ اسی نصاب کی دین ہے۔

آج سو سال بعد حالات نے پھر ہمیں وہاں لا کھڑا کیا ہے جہاں ہمیں یہ سوچنا پڑ رہا ہے کہ کیا سو سال بعد بھی یہ نصاب اتنا ہی مؤثر ہے جتنا کل تھا؟ سو سال میں حالات بدلتے ہیں، قدریں بدلتی ہیں تقاضے بدلتے ہیں جو ان تقاضوں کو نہیں پہچان پاتے وقت کا تیز دھارا انہیں بہالے جاتا ہے۔ ملک کا قانون ہو یا قانون شریعت، اپنے اندر یہ لوچ رکھتا ہی ہے کہ وہ حالات کے مطابق اپنے اندر تبدیلی پیدا کر سکے۔ فقہی جزیہ کم من امر یکتلف باختلاف الازمان والامکان والافراد اسی حقیقت کی ترجمان ہے، تو جب وقت اپنی کروٹ بدل کر زندگی کے نظام، ریاست کے قوانین اور انسانی سوچ کے زاویے بدل دیتا ہے، تو ایسے میں تعلیمی نصاب کو ''جامد'' رکھنا کسی بھی طور دانش مندی کا تقاضا نہیں ہوسکتا۔ برصغیر کے مدارسِ اسلامیہ محض تعلیمی ادارے نہیں، یہ امتِ مسلمہ کی فکری واعتقادی

سرحدیں ہیں۔ انہی اداروں نے اس خطے میں قرآن وسنت کی امانت کو محفوظ رکھا اور استعمار کے بدترین دور میں بھی اسلام کا دفاع کیا۔ لیکن آج سوال یہ ہے کہ کیا یہ قلعے آنے والے دور کے جدید فکری حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں؟ یہ مان لینا علمی دیانت کے خلاف نہیں کہ ایک نصاب جو اپنے زمانے میں مکمل تھا، بدلتے حالات میں از سرِ نو ترتیب کا تقاضا کرتا ہے۔ تجدید اگر اصول کے دائرے میں ہو تو وہ تخریب نہیں، بلکہ امانت کی حفاظت ہوتی ہے۔ مدارس کو اپنی دیواریں اتنی اونچی نہیں کر لینی چاہئیں کہ باہر کی دنیا کی آواز اندر نہ آئے، اور نہ ہی اتنی نیچی کہ باہر کا سیلاب ان کے وقار کو بہا لے جائے۔ ہمیں ایسے علما تیار کرنے ہیں جو قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی صدا بلند کرتے ہوئے وقت کے چیلنجز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکیں۔

آج ہم ایسے سوالات سے دوچار ہے جن کی زبان اور فورم بدل چکے ہیں۔ الحاد اب صرف یونانی فلسفے کی کتابوں میں نہیں، بلکہ موبائل اسکرین پر "سوشل میڈیا" کی شکل میں موجود ہے۔ لبرل ازم (آزاد خیالی) فیمینزم (نسوانی مساوات) ڈارون ازم (نظریۂ ارتقا) جیسے نظریات نوجوان نسل کے ایمان پر حملہ آور ہیں۔ یہ حملے تلوار سے نہیں، سوال سے ہوتے ہیں؛ گولی سے نہیں، دلیل کے نام پر شبہ پیدا کرنے سے ہوتے ہیں۔ اب حکومتیں صرف داخلی اقتدار تک محدود نہیں، بلکہ عالمی معاہدات اور بین الاقوامی قوانین کا پابند ہیں، اپنے شہریوں کے بنیادی انسانی حقوق کو قانونی تحفظ دینے کے ساتھ، ایک ایسے منظم اور پیچیدہ معاشی ڈھانچے سے مربوط ہیں جس میں بینکاری نظام، ٹیکس کا نظام، عالمی تجارت، مالیاتی ادارے اور منڈی کے حالات شامل ہیں۔ یعنی آج کی ریاست محض سرحدوں اور حکومت کا نام نہیں، بلکہ قانون، حقوق اور معیشت کے باہم مربوط نظام کا مجموعہ ہے۔ اگر ہمارا نصاب ان چیزوں سے کٹا رہا، تو ہمارے فارغین کا علم وتجربہ زمینی حقائق سے دور ہو جائے گا اور وہ یا تو حالات کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے، یا سائل کو مطمئن نہیں کر سکیں گے۔ نتیجہ کے طور پہ ان کا ذہن منتشر ہوگا اور ہمارا فرد ہماری ادھوری معلومات کے سبب ہم سے برگشتہ ہو جائے گا۔

نصاب کے حوالہ سے یہ پہلو بھی فکر انگیز ہے کہ اگر مدارس اسلامیہ سے ہمارا مقصد اسلام اور شریعت اسلامیہ کا تحفظ ہے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ چار سال تک عربی قواعد اور چار سال تک تفاسیر واحادیث پڑھا دینے سے کیا یہ کام ہو جا رہا ہے؟ یہ دیکھنا بھی ہماری ہی ذمہ داری ہے کہ آٹھ سال تک مدارس کی چہار دیواری میں نشو ونما پانے اور فضیلت کی ڈگری لینے والا عالم دین فراغت کے بعد کیا کر رہا ہے، سب نہیں تو کم از کم ان کی اکثریت کیا کر رہی ہے؟ کیوں کہ ہماری محنت کا مآل تو آخر یہی تھا۔

مستقبل کا لائحہ عمل اور چند قابل غور تجاویز: نصاب کی تجدید اور طلبہ کی بہتر نشو ونما کے لیے درج ذیل نکات سنگ میل ثابت ہو سکتے ہیں:

- طبائعِ طلبہ کی جانچ (Aptitude Assessment): ہو جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے لکھا ہے۔ درجہ رابعہ تک کا نصاب ضروری ترامیم کے ساتھ برقرار رکھا جائے، مگر اس کے بعد طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں اور رجحانات کا جائزہ لیا جائے۔
- تخصص (Specialization): جو طلبہ خالص علمی وتحقیقی میدان میں آگے بڑھنا چاہیں، ان کے لیے کتبِ درس نظامی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور کمپیوٹر کی لازمی تعلیم کا نظم ہو۔
- جو طلبہ دیگر عصری شعبہ جات کا انتخاب کرنا چاہیں، ان کے لیے ضروری دینیات کے ساتھ مطلوبہ راہ (مثلاً طب، قانون یا معیشت) میں آسانیاں فراہم کی جائیں۔
- عصری فکری چیلنجز کا مقابلہ: نصاب میں ایسے مباحث شامل کیے جائیں جو نوجوان نسل کو الحاد، لبرل ازم اور فیمینزم جیسے جدید نظریات کے مدلل جوابات دینے کے قابل بنائیں۔

اداریہ

ا ریاستی ومعاشی نظام سے آگاہی: فارغینِ مدارس کو ملکی قوانین، انسانی حقوق اور پیچیدہ معاشی ڈھانچے (بینکاری وٹیکس نظام) کی بنیادی واقفیت دی جائے تاکہ وہ عملی دنیا میں اپنا موثر کردار ادا کرسکیں۔

ا مشاورتی نشستوں کا انعقاد: مدارس کے ماہرین اور اہل بصیرت کے ساتھ مل کر ایک ایسا ''جدید جامع نصاب'' (National Curriculum) تیار کیا جائے جو مدارس کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔

اسی غرض سے اس شمارہ میں ہم نے اپنے مباحثہ کے کالم کے لئے کچھ اہل بصیرت حضرات سے رابطہ کیا اور ان کی رائے لی الحمد للہ! سبھوں کی رائے مثبت آئی اب اس کے بعد یہ ضرورت ہے کہ مدارس کے ماہرین اور نصاب سے تعلق رکھنے والے اہل بصیرت کے ساتھ ایک نشست کی جائے۔ ان شاء اللہ عید الفطر بعد مرکزی ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ میں اس حوالہ سے ایک نشست رکھی جائے گی اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک ایسے نصاب کا خاکہ متعین کیا جائے جو مدارس کی روح کو باقی رکھتے ہوئے مستقبل پہ حاوی ہونے کے لائق ہو۔

اب یہ وقت محض گفتگو کا نہیں، بلکہ فیصلہ سازی کا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جو قومیں اپنے تعلیمی ڈھانچے پر بروقت غور نہیں کرتیں وہ دوسروں کے فکری نظام کا حصہ بن جاتی ہیں۔ مدارس اسلامیہ کو اپنی روح، اپنے مقصد اور اپنی شناخت کو محفوظ رکھتے ہوئے مستقبل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہونا ہوگا۔ ہمیں ایسا نصاب درکار ہے جو مسجد کے محراب میں بھی باوقار ہو اور عدالت کے ایوان میں بھی مدلل؛ جو منبر پر بھی اثر رکھتا ہو اور گفتگو کی میز پر بھی وزنی ہو؛ جو عقیدہ کی حفاظت بھی کرے اور زمانے کی زبان بھی سمجھے۔ اگر ہم نے تدبر، جرأت اور اخلاص کے ساتھ یہ قدم اٹھالیا تو مدارس ایک نئے دور کی قیادت کریں گے، اور اگر ہم نے تساہل اختیار کیا تو تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ مدارس کو بچانا صرف عمارتوں کو بچانا نہیں، بلکہ امت کے فکری مستقبل کو محفوظ کرنا ہے۔ یہ معرکہ اینٹ اور پتھر کا نہیں، فکر اور بصیرت کا ہے۔ اور جو قوم اپنے فکری قلعوں کی حفاظت نہیں کرتی، اسے کوئی سیاسی قوت زیادہ دیر تک سنبھال نہیں سکتی۔ یہی ہماری دینی ذمہ داری ہے، یہی علمی امانت ہے اور یہی ہمارے اسلاف کے خونِ جگر کا تقاضا ہے۔ ■ ■ ■

الرضا کی اشاعت کے مخلصین کی خدمت میں ہدیہ تشکر

الرضا رسالہ نہیں تحریک ہے۔ یہ تحریک کرونا کے حوصلہ شکن حالات سے دوچار ہوئی ضرور تھی مگر فکر رضا کی اشاعت کا جذبہ بیکراں رکھنے والوں نے اسے پھر زندہ کیا اور آج الحمد للہ پھر یہ پوری آب وتاب کے ساتھ صحافتی دنیا میں اپنی خوشبوئیں بکھیر رہا ہے۔ ہمارے ان کرم فرماؤں کا جنہوں نے اس کی ایک دوماہ کی اشاعت کا بارگراں اٹھایا، کسی نے مقالات ومضامین سے اس کی فکری توانائی بخشی، کسی نے تاثرات ہمارے حوصلوں کو مہمیز کیا کسی نے پریس کی دشواریوں میں ہمارے لئے آسانیاں فراہم کیں۔ ہم ان تمام کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں خصوصیت کے ساتھ پیر طریقت حضرت مولانا الشاہ عبد القادر جیلانی میاں، حضرت مولانا مستقیم احمد رضوی ناگپور، حضرت ڈاکٹر شفیق اجمل قادری، حضرت مفتی دلدار عالم رضوی، حضرت مولانا جمال انور رضوی، حضرت مولانا احمد رضا صابری، حضرت مولانا روشن ضمیر قادری، حضرت مولانا سید ارشد اقبال رضوی کے سراپا ممنون ہیں کہ یہی دراصل اس تحریک کی جان اور الرضا انٹرنیشنل کی روح ہیں۔ اللہ رب العزت انہیں اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ان کے صدقے مجھے بھی اسی طرح رضویات کی خدمت کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین

قارئین کے تاثرات

قارئین! مداحانہ نہیں، اپنے ناقدانہ وحقیقت پسندانہ تاثرات بھیجیں، یہ مجھے رسالہ کو خوب سے خوب تر بنانے میں معاون ثابت ہو۔

اداریہ پرخلوص، فکرانگیز اور بصیرت افروز ہے

■ پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب
سابق ڈین فیکلٹی بہار یونیورسٹی مظفر پور

رسالہ کا تازہ شمارہ (نومبر، دسمبر 2025) جنت نگاہ بنا
ع زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کیئے

خاص طور پر آپ کی تحریر اور اداریہ حاصل شمارہ ہے آپ نے خون دل میں انگلیاں ڈبو کر مسند نشینان حرم کو مخاطب فرمایا ہے چند سطور میں جماعت اہلسنت و جماعت کو درپیش مسائل و معاملات کا بھی آپ نے احاطہ کرلیا ہے سمندر کو کوزہ میں سمو دینا ایک فنکارانہ عمل ہے، اس میں آپ کو اختصاص حاصل ہے۔ رسالہ کے سرورق پر آپ نے جو اداریہ کا اقتباس دیا ہے انتہائی پرخلوص، فکرانگیز اور بصیرت افروز ہے۔ مگر مسند نشینان حرم تک آپ کی یہ صدائے درد پہونچے گی ہی نہیں، اور اگر پہونچ بھی گئی تو ''قطب از جا نمی جنبد'' کا محاورہ صادق آئے گا یعنی بقول غالب

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

میرے نزدیک آپ کے یہ سب الہامی جملے ہیں:

''کیا یہ بات باعث حیرت نہیں کہ 80 فیصد سنی آبادی والے ملک میں اہلسنت کی کوئی جماعتی اکائی نہیں، مدارس کی تنظیم نہیں، نصاب میں ہم آہنگی نہیں، سیاسی متحدہ محاذ نہیں، اعراس میں مقصدیت نہیں، اسٹیج پر کنٹرول نہیں، مقررین اور شعراء کی زبان میں لگام نہیں، اہل قلم کے قلم میں توازن واعتدال نہیں، فکر میں پیش بندی نہیں''

آپ کا اداریہ پڑھ کر سیر ہو گیا دیگر مشمولات بعد میں۔

***

خاموش، قیادت اور مسلمانوں کا فکری امتحان

■ ٹی ایم ضیاء الحق صاحب دہلی

آج کے دور میں اُردو رسائل کی تعداد مسلسل گھٹتی جارہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اُردو پڑھنے والوں کی تعداد میں نمایاں کمی ہے۔ بدلتا ہوا سماجی مزاج، ڈیجیٹل ذرائع کی یلغار اور مطالعے کی روایت میں آنے والا زوال، سنجیدہ اُردو صحافت اور رسالہ نگاری کے لیے ایک بڑا چیلنج بن چکا ہے۔ ایسے حالات میں کسی معیاری اُردو رسالے کا تسلسل کے ساتھ شائع ہونا بذاتِ خود ایک بڑی اور قابلِ تحسین بات ہے۔

اسی تناظر میں الرِضا انٹرنیشنل کا باقاعدگی کے ساتھ شائع ہونا نہ صرف خوش آئند ہے بلکہ اُردو صحافت کے لیے امید کی ایک روشن کرن بھی ہے۔ خصوصاً نومبر دسمبر 2025 کا شمارہ اپنے مواد، فکری گہرائی اور موضوعاتی تنوع کے اعتبار سے اپنی ایک منفرد شناخت رکھتا ہے۔ اس شمارے کا اداریہ جہاں قاری کی فکر کو جھنجھوڑتا اور اسے خود احتسابی پر آمادہ کرتا ہے، وہیں مباحثہ کالم اپنے مخصوص اور بامعنی اسلوب کے ساتھ براہِ راست سوال قائم کرتا ہے ایسا سوال جو اہلِ سنت کے فکری، دینی اور سماجی کردار پر سنجیدہ غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔

اس شمارے کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سوال محض اٹھائے نہیں گئے، بلکہ ان کے ذمہ دارانہ اور مدلل

جوابات بھی فراہم کیے گئے ہیں۔ اس مباحثے میں عوام کی طرف سے اٹھنے والے فکری، دینی اور اجتماعی سوالات کے جواب مناظرِ اہلِ سنت، فقیہُ النفس حضرت مفتی محمد مطیعُ الرحمن رضوی بانی وسربراہ، جامعہ نوریہ، شام پور، رائے گنج، بنگال نہایت سنجیدہ، متوازن اور مضبوط علمی استدلال کے ساتھ دیتے نظر آتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں وہ اپنے علم، فقہی بصیرت اور عدالتی وقار کے باعث ایک ممتاز اور بااعتماد قاضی کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی تحریر نہ صرف مسائل کی شرعی جہت کو واضح کرتی ہے بلکہ قاری کو فکری اطمینان بھی فراہم کرتی ہے۔

دوماہی الرِضا انٹرنیشنل میں شائع ہونے والا مدیرِ اعلیٰ ڈاکٹر امجد رضا خان امجد کا اداریہ اور اس کے ساتھ شاملِ مباحثہ کالم اہلِ سنت کے فکری، دینی اور سیاسی تشخص پر ایک سنجیدہ اور دوررس اثرات رکھنے والا مکالمہ پیش کرتا ہے۔ یہ تحریریں محض کسی وقتی سیاسی ردِعمل یا جماعتی دفاع تک محدود نہیں بلکہ برصغیر کے مسلم سماج کی فکری تاریخ، اسلافی وراثت اور عصرِ حاضر کے چیلنجز کے تناظر میں ایک گہری خود احتسابی کی دعوت دیتی ہیں۔

اداریہ اپنے آغاز ہی میں اس اجتماعی کرب کی ترجمانی کرتا ہے جو آج اہلِ سنت کے حساس اذہان محسوس کر رہے ہیں۔ غالب کے شعر سے شروع ہونے والی یہ تحریر اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ زیرِ بحث مسئلہ محض سیاسی نہیں بلکہ فکری اور اخلاقی سطح پر بھی ایک سنگین تشویش کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اداریے کا لہجہ شکوہ آمیز ضرور ہے، مگر یہ شکوہ ذاتی نہیں بلکہ قیادت کے خلا، اجتماعی خاموشی اور روحانی قوت کے جمود پر مرکوز ہے۔

تحریر میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت، اشتعال انگیزی اور بعض ریاستی اقدامات نے حالات کو غیر معمولی طور پر سنگین بنا دیا ہے۔ بابری مسجد کی شہادت، تین طلاق سے متعلق قانون سازی، وقف ایکٹ، مختلف ریاستوں میں بلڈوزر کارروائیاں اور برسوں سے جیلوں میں قید بے گناہ مسلمان یہ سب واقعات محض مثال کے طور پر نہیں بلکہ ایک مسلسل صورتِ حال کے طور پر پیش کیے گئے ہیں، جس نے مسلمانوں کے اجتماعی اعتماد کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔

اداریہ اس نکتے کو مرکزی حیثیت دیتا ہے کہ ان سانحات سے زیادہ نقصان دہ ہماری وہ خاموشی ثابت ہوئی جو ہم نے مصلحت، حکمت یا حالات کی نزاکت کے نام پر اختیار کی۔ ہر مرحلے پر احتجاج سے گریز رفتہ رفتہ اجتماعی بے حسی میں تبدیل ہوتا گیا، جس کا خمیازہ صرف سیاسی کمزوری کی صورت میں نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی سطح پر بھی بھگتنا پڑا۔

اداریے میں خانقاہی نظام اور مشائخ کی قیادت سے نہایت سنجیدہ مگر ذمہ دارانہ سوالات کیے گئے ہیں۔ تحریر یہ یاد دہانی کراتی ہے کہ خانقاہیں محض روحانی سرگرمیوں تک محدود نہیں رہیں بلکہ تاریخ کے مختلف ادوار میں سماجی مزاحمت، اخلاقی قیادت اور مظلوموں کی دادرسی کا مرکز بھی رہی ہیں۔ ایسے میں موجودہ حالات میں ان کی خاموشی فکری اور اخلاقی سطح پر تشویش پیدا کرتی ہے۔

مولانا توقیر رضا خان کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کو اداریہ ایک علامتی حیثیت دیتا ہے۔ اسے محض ایک فرد کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک آزمائش کے طور پر پیش کیا گیا ہے بی یہ جانچنے کے لیے کہ آیا اہلِ سنت کے اندر مزاحمت کی قوت اور احتجاج کا زندہ ضمیر اب بھی باقی ہے یا نہیں۔

تاہم اداریہ محض شکوے یا مایوسی پر ختم نہیں ہوتا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ تعمیری انداز اختیار کرتے ہوئے مشاورت، اجتماع، سیاسی قوت کی بحالی اور فکری و تنظیمی ہم آہنگی پر زور دیتا ہے۔ تحریر واضح کرتی ہے کہ مسائل کا حل کسی ایک فرد کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اجتماعی سوچ، مشترکہ حکمتِ عملی اور باہمی تعاون میں مضمر ہے۔

مجموعی طور پر یہ اداریہ اور مباحثہ کسی جماعت کا منشور یا کسی وقتی مصلحت کی توجیہ نہیں بلکہ اہلِ سنت کے فکری مستقبل، دینی تشخص اور اجتماعی بقا پر ایک سنجیدہ، ذمہ دارانہ اور بصیرت افروز مکالمہ ہے۔ یہ تحریریں یاد دلاتی ہیں کہ نجات نہ مکمل کنارہ کشی میں ہے اور نہ اقتدار پرستی میں، بلکہ ایک اصولی، اخلاقی اور ذمہ دار سیاسی کردار میں ہے۔

قارئین کے تاثرات

مفتی امجد رضا خان امجد کی زیرِ ادارت شائع ہونے والا یہ رسالہ محض مذہبی افکار کی ترسیل تک محدود نہیں بلکہ اہلِ سنت میں سیاسی شعور، اجتماعی ذمہ داری اور فکری بصیرت کے فروغ کی ایک قابلِ قدر کوشش ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مکالمے کو سنجیدگی سے لیا جائے اور اسے محض صفحات تک محدود رکھنے کے بجائے عملی سطح پر بھی اس کے تقاضوں پر غور کیا جائے۔ دعا ہے کہ یہ فکری کاوش اہلِ سنت کے لیے بیداری، بصیرت اور اتحاد کا ذریعہ بنے اور ملت کو علم، عدل اور کردار کی روشنی میں آگے بڑھنے کی توفیق عطا ہو۔

***

دو ماہی مجلہ "الرّضا" (انٹرنیشنل) پٹنہ

فکرِ اہلِ سنت، شعورِ عصر اور تحقیق کا معتبر ترجمان

■ سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی

دو ماہی مجلہ الرّضا (انٹرنیشنل) پٹنہ کا یہ شمارہ ایک ایسے وقت میں منظرِ عام پر آیا ہے جب امتِ مسلمہ فکری انتشار، اخلاقی زوال اور عصری چیلنجز کے نرغے میں ہے۔ ایسے ماحول میں الرّضا جیسے سنجیدہ، متوازن اور علمی مجلّات کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ یہ شمارہ واضح طور پر اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ الرّضا محض ایک رسالہ نہیں بلکہ اہلِ سنت و جماعت کے فکری شعور کی زندہ آواز ہے۔

مدیرِ اعلیٰ حضرت قبلہ ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب کا اداریہ اس شمارے کی روح اور فکری اساس ہے۔ یہ اداریہ نہ رسمی جملوں کا مجموعہ ہے اور نہ وقتی جذبات کی ترجمانی، بلکہ اس میں:

عصرِ حاضر کے فکری، سماجی اور اخلاقی مسائل کا گہرا ادراک

اہلِ علم اور اہلِ قلم کی ذمہ داریوں کا احساس، اور سنجیدہ، مدلل اور شائستہ انداز میں رہنمائی صاف طور پر جھلکتی ہے۔

حضرت قبلہ ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب کا اسلوب متوازن، الفاظ نپے تلے اور فکر بالغ ہے۔ اداریہ قاری کو صرف مطالعہ پر اکتفا نہیں کرنے دیتا بلکہ اسے خود احتسابی اور فکری بیداری کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہی کسی کامیاب مدیر کی اصل پہچان ہے، اور اس پہلو سے یہ اداریہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔

فہرستِ مضامین فکری تنوع اور موضوعاتی ہم آہنگی:

فہرستِ مضامین پر نگاہ ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ شمارہ موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ فکری ربط بھی رکھتا ہے۔ اصلاحِ معاشرہ، سیرتِ مصطفیٰ ﷺ، فقہی و فکری مباحث، نفسیات، ماحولیات، اخلاقیات اور عصری مسائل بی سب کو ایک متوازن ترتیب کے ساتھ شامل کیا گیا ہے، جو مدیران کی فکری بالغ نظری کا ثبوت ہے۔

نمایاں مضامین:

اصلاحِ معاشرہ کے چند اہم اور غور طلب پہلو

یہ مضمون مولانا عبدالمبین نعمانی قادری کا ہے۔ یہ مضمون معاشرتی بگاڑ، دینی غفلت اور قرآنی تعلیمات سے دوری پر نہایت دردمندانہ اور مخلصانہ گفتگو کرتا ہے۔ مصنف نے قرآن و سنت کی روشنی میں اصلاحِ احوال کی طرف توجہ دلائی ہے، جو ہر سنجیدہ قاری کے لیے باعثِ فکر ہے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ کی رہائش مکانات اور نقشہ سازی میں حکمت و مہارت: بڑا اہل مضمون ہے۔ یہ مضمون علامہ محمد بن علوی المالکی کا ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ کے ایک کم بیان ہونے والے مگر نہایت اہم پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔ گھروں، بازاروں اور معاشرتی نظم میں حضور ﷺ کی حکمت عملی کو تاریخی اور فکری انداز میں پیش کیا گیا ہے، جو سیرت کے طلبہ کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔

ماحولیاتی آلودگی اور سیرتِ نبوی ﷺ کا پیغام: اس مضمون میں ڈاکٹر سبطین رضا مرتضوی نے حساس پہلوؤں کو موضوع بنایا ہے۔ ان کا یہ مضمو عصرِ حاضر کے ایک نہایت اہم مسئلے کو سیرتِ طیبہ ﷺ سے جوڑتا ہے۔ مصنف نے نہایت خوبصورتی سے واضح کیا ہے کہ اسلام صرف عبادات ہی نہیں بلکہ ماحول، صفائی اور انسانی ذمہ داریوں کا بھی مکمل ضابطہ پیش کرتا ہے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ: ایک عظیم نفسیات شناس، کے مضمون نگار مولانا شہزاد عنبر عطاری ہیں۔ یہ مضمون جدید نفسیاتی اصطلاحات اور سیرتِ نبوی ﷺ کے باہمی تعلق کو جس سلیقے سے پیش کرتا ہے، وہ قابلِ داد ہے۔ اس میں قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ جدید نفسیات کے کئی اصول دراصل سیرتِ مصطفیٰ ﷺ میں پہلے ہی موجود ہیں۔

اسلوب، زبان اور علمی وقار: اس شمارے کی تحریریں زبان و بیان کے اعتبار سے شستہ، رواں اور علمی ہیں۔ کہیں جذباتیت کا غلبہ نہیں، کہیں سطحیت نہیں، بلکہ ہر جگہ تحقیق، حوالہ اور فکری توازن نمایاں ہے۔ یہی وصف الرّضا کو عام رسائل سے ممتاز کرتا ہے۔

مجموعی تاثر: پورا شمارہ پڑھنے کے بعد یہ بات پورے اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ:

الرّضا اہلِ سنت و جماعت کی فکری ترجمانی کررہا ہے، یہ رسالہ روایت اور جدت کے درمیان ایک مضبوط پل ہے، اور یہ نوجوان ذہن کو سنجیدگی، تحقیق اور اعتدال کی راہ دکھاتا ہے۔ یہ شمارہ نہ صرف مطالعہ کے قابل ہے بلکہ محفوظ رکھنے اور حوالہ بنانے کے لائق بھی ہے۔

اختتامی کلمات:

ادارہ الرّضا، مدیرِ اعلیٰ ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب، اور تمام معزز مصنفین یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک ایسا شمارہ پیش کیا جو فکری، علمی اور مسلکی لحاظ سے وقار کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مجلّے کو مزید ترقی عطا فرمائے، اس کے قلم کاروں کی محنت قبول فرمائے، اور اسے اہلِ سنت کے لیے ہمیشہ رہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

***

الرضا ہر جہت سے قابلِ تحسین ہے

■ مفتی احسن رضا قادری: باتھ اصلی

محترم ومکرم مدیرِ دوماہی الرضا انٹرنیشنل

ہر بار کی طرح اس مرتبہ بھی دوماہی الرضا انٹرنیشنل (نومبر دسمبر) کا شمارہ موصول ہوا۔ یہ رسالہ ہمیشہ کی طرح فکر ونظر اور قلب وجگر کی تسکین کا سامان فراہم کرنے والا ثابت ہوا۔ آپ کی بصیرت افروز ادارت میں اس کا شائع ہونا بجا طور پر باعثِ مسرت ہے۔ واقعی یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ دور کے رسائل و جرائد میں آپ کا یہ مجلہ اپنی جامعیت، سنجیدگی اور فکری بالیدگی کے اعتبار سے ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔

اس شمارے کے جملہ مضامین اور عناوینِ بحث نہایت فکر انگیز اور معلومات افزا ہیں۔ ہر مضمون اپنے اندر ایک پیغام، ایک درد اور ایک اصلاحی جذبہ لیے ہوئے ہے، جو قاری کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ تاہم رسالے کی جان حسبِ روایت آپ کا اداریہ ہے، جس کا عنوان "مسند نشینانِ حرم سے دو باتیں" نہایت بامعنی اور دل کو چھو لینے والا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس اداریے میں محض الفاظ کی چاشنی نہیں بلکہ ایک سچے دل کی تڑپ اور امت کی اصلاح کا درد نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ آپ نے نہ صرف حالات کی سنگینی کا ذکر کیا ہے بلکہ بڑی جرأت کے ساتھ اس کے اسباب کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کا حل پیش کرنے کی بھی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس تحریر میں امت کی موجودہ حالتِ زار پر دل گرفتگی بھی ہے، احتساب بھی ہے اور اصلاح کی ایک روشن امید بھی۔

آپ نے بڑی حکمت کے ساتھ یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اگر مسند نشینانِ حرم اور قوم کے رہبر اپنی ذمہ داریوں کا صحیح احساس کرلیں، اور عملی میدان میں قدم بڑھائیں تو وہ حالات جو روز بروز بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں، ان میں نمایاں بلکہ مکمل تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ بلاشبہ قوم کا رہبر ہی قوم کو صحیح سمت دکھاتا ہے اور اس کے مستقبل کی راہیں متعین کرتا ہے۔ آپ کے اداریے میں اسی قیادت کا بھرپور محاسبہ بھی ہے اور اصلاح کا پیغام بھی۔

آپ کی اس تحریر میں ضرب بھی ہے، نقد بھی ہے، مرہم بھی ہے اور فکر وعمل کی برانگیختگی بھی۔ یہی کسی بیدار قلم کار اور مصلح کی تحریر کی اصل پہچان ہوتی ہے، کہ وہ صرف تنقید پر اکتفا نہ کرے بلکہ اصلاح اور رہنمائی کی راہیں بھی ہموار کرے۔ آپ کا یہ اداریہ اسی معیار پر پورا اترتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی فکر کو سلامت رکھے، آپ کے قلم میں مزید تاثیر عطا فرمائے اور آپ کو دین وملت کی خدمت کے لیے اسی طرح سرگرمِ عمل رکھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نشینانِ حرم اور اہلِ قیادت کو بھی صحیح فہم، اخلاص اور عمل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ امت کے حالات میں حقیقی بہتری آسکے۔

الرضا کے مباحثہ کا کالم وقت کی اہم ضرورت

■ مولانا اشکر رضا لطفی:

القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ

مکرمی چیف ایڈیٹر ہدیہ سلام ورحمت

الرضا انٹرنیشنل مطالعہ میں آیا نگاہ سے دل تک اس کی تاثیر پہنچ

گئی۔ بہت عمدہ پرکشش، علمی اور بصیرت افروز۔ آپ کے اداریہ نے تو دل کو جھنجھور کر رکھ دیا۔ شہر خموشاں میں اذان، یا صحرا میں صدائے الرحیل؟ کاش اہل خانقاہ تک ی دل کے ٹکڑے پہنچتے، اور اہل سنت کی شیرازہ بندی کی فکر اندر کے اندر پیدا ہو جاتی۔

ان کا جو کام ہے صاحب مسند جانیں

اس شمارہ کے تاثرات کے کالم پر بھی نظر گزری۔ خوشی ہوئی کہ سبھی قلم کاروں نے اپنے اپنے انداز میں رسالہ کے بارے میں وہی تاثر پیش کیا، جو انہوں نے محسوس کیا۔ آپ کا سوال" کے تحت فقیہُ النفس حضرت مفتی مطیع الرحمن صاحب قبلہ کا" تکفیر میں شبہ کا حکم" کے باب میں نہایت مضبوط اور مدلل جواب پڑھنے کا موقع ملا، جو علمی بصیرت اور فقہی ژرف نگاہی کا آئینہ دار ہے۔ (البتہ اگر پرانے سوالات کے ساتھ ساتھ نو پید اور جدید مسائل پر بھی تحقیق پیش کی جائے تو اس سے ایک طرف عوام کی علمی ضرورتیں پوری ہوں گی اور دوسری طرف قارئین کے لیے دلکشی اور تازگی کا سامان بھی فراہم ہوگا)

اسی طرح سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ کے مختلف گوشوں پر مشتمل مضامین بھی نہایت قابلِ توجہ ہیں۔ خصوصاً (۱) نقشہ سازی میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کی مہارت، (۲) ماحولیاتی آلودگی اور سیرت النبی ﷺ کا پیغام، اور (۳) پیغمبرِ اسلام ﷺ ایک عظیم نفسیات شناس۔

جیسے موضوعات پر علامہ علوی مالکی، ڈاکٹر سبطین اور مولانا شہزاد عنبر کی تحریریں اپنے موضوع کا حق ادا کرتی ہوئی اور نہایت دلچسپ و معلوماتی ہیں۔ ان مضامین میں فکری گہرائی اور اسلوب کی شگفتگی دونوں کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

اسی طرح مبلغِ اسلام، مصلحِ قوم وملت، حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی۔ حفظہ اللہ۔ کی تحریر" اصلاحِ معاشرہ کے چند اہم پہلو" پڑھی تو بے ساختہ حیرت واستعجاب کے جذبات پیدا ہوئے۔ آپ نے ہمیشہ کی طرح بلا خوفِ لومۃ لائم معاشرے کے حساس مسائل پر بے باکانہ قلم اٹھایا ہے۔ خصوصاً گدی نشینوں، پیر صاحبان اور ائمہ کے انتخاب کے بعض رویّوں پر جو اصلاحی تنبیہ فرمائی ہے، وہ نہایت بروقت اور قابلِ قدر ہے۔

مزید برآں قرآنِ کریم کی طباعت اور اشاعت کے حوالے سے آپ نے جو دردمندانہ نکتہ اٹھایا ہے، وہ نہ صرف چونکا دینے والا بلکہ افسوس ناک بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دین کی حرمت اور قرآنِ کریم کے تقدس کا دعویٰ رکھتا ہو، اس کے لیے یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ وہ قرآنِ کریم جیسے مقدس کلام کے لیے کم درجے کا کاغذ اور کمزور بائنڈنگ استعمال کرے۔ اس طرح کے کئی اہم اصلاح طلب پہلوؤں کی آپ نے نہایت وضاحت اور دردمندی کے ساتھ نشاندہی فرمائی ہے۔

مباحثہ کے عنوان کے تحت بھی اہلِ قلم نے نہایت سنجیدہ اور بامقصد اظہارِ خیال کیا ہے۔ ڈاکٹر زرقانی صاحب، پروفیسر فاروق صاحب، مولانا ملک الظفر صاحب اور مولانا سید منور شاہ صاحب نے نہایت عمدہ اور مدلل انداز میں اپنی آرا پیش کی ہیں۔ ان حضرات کی تحریروں میں فکری پختگی، جرأتِ اظہار اور سنجیدہ طرزِ استدلال نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے۔

صدر الفاضل کا مضمون" دورِ فتن کے دردناک مناظر" بھی اصلاحی نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے۔ اس میں معاشرتی بگاڑ اور فتنوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اصلاح کی جو کوشش کی گئی ہے، وہ لائقِ تحسین ہے۔ اگر اسی نوعیت کے مضامین اکابر علماے اہلِ سنت کے قلم سے شامل کیے جائیں تو اس سے نہ صرف اصلاحی پہلو مزید مضبوط ہوگا بلکہ رسالہ کی علمی وقعت اور مقبولیت میں بھی نمایاں اضافہ ہوگا۔

اسی طرح مورخِ اہلِ سنت علامہ مفتی محمود رفاقتی اور مولانا انور نظامی کی تحریریں بھی حاجی وارث علی اور مفتیِ اعظم کے تفقہ و علمی مقام کے حوالے سے نہایت معلوماتی اور قابلِ مطالعہ ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ رسالہ فکر وادب، تحقیق وتنقید اور اصلاح ومشورہ کا ایک نہایت قیمتی اور نادر گلدستہ ہے، جس کے ہر صفحے سے علم ودانش کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ آپ کی ادارت کا فیض اس رسالہ کو مدتوں حاصل رہے اور یہ علمی وفکری میدان میں اسی طرح روز افزوں ترقی کرتا رہے۔

□□□

الرضا انٹرنیشنل کا ایک علمی فقہی سلسلہ ''آپ کا سوال''

اللہ اللہ ورد کرنے والے بزرگ کو اللہ میاں کہنا

جوابات: مناظر اہل سنت فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی
بانی وسربراہ: جامعہ نوریہ شام پور، رائے گنج، بنگال

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

پیلی بھیت کے حضرت سید شاہ عبدالبصیر میاں علیہ الرحمہ زور زور سے اللہ اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اس لیے ان کے مریدین ومتوسلین ان کو ''اللہ میاں'' کہا کرتے تھے۔ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ایسا کہنے کو کفر قرار دیا ہے اور حضرت مفتی حبیب اللہ علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ: ''کلمہ مذکورہ کا استعمال اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں'' اور تاویل کر کے کفر صریح ہونے کا انکار کیا ہے۔ اب اس اختلاف کو کیا سمجھا جائے؟

محمد نظام الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

مولانا المحترم، وعلیکم! السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اصل جواب سے پہلے ذیل کے مقدمات نظر میں رکھئے!

پہلا مقدمہ

(۱) قول کبھی کفری معنی کا ایہام پیدا کرتا ہے، جیسے: دعا میں ''اللھم انی اسئلک بمعقد العز من عرشک'' کہنا۔

(۲) کبھی کفری معنی میں ظاہر ہوتا ہے، جیسے:

(الف) تریسٹھ برس خدا مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں پھرا کسی نے نہیں پہچانا۔

(ب)

کہیں لیلی بنا، کہیں مجنوں، کہیں شیریں بنا، کہیں فرہاد
ہی میم کا پردہ کیا پردہ ،تو اور نہیں میں اور نہیں۔

(۳) اور کبھی کفری معنی میں متعین ہوتا ہے۔ جیسے: نماز، روزے کی فرضیت کا انکار کرنا، کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم والا قرار دینا۔

پہلی صورت یعنی جب قول کفری معنی کا موہم ہو، تو اس کا استعمال مکروہ تحریمی ہے:

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

(و) کرہ (قولہ فی دعائہ: اللھم انی اسئلک بمعقد العز من عرشک)

[دعا میں ''اللھم انی اسئلک بمعقد العز من عرشک'' کہنا مکروہ ہے۔]

ردالمحتار مطبع زکریا، ج:۵، ص:۲۵۳، میں ہے:

انما کرہ لانہ یوھم تعلق عزہ بالعرش والعرش حادث ۔۔۔ حاصلہ انہ تعلق عزہ تعالی بالعرش مبدأ ومنشأ لعزہ تعالی کما توھمہ کلمۃ من ۔۔۔ ان مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع

آپ کا سوال

عن التلفظ بهٰذاالكلام وان احتمل معنى صحيحاًولذاعلل المشائخ بقولهم؛ لانه يوهم الخ ونظيره ماقالوافي انامؤمن ان شاء الله ؛ فانهم كرهواذلك وان قصدالتبرك دون التعليق لمافيه من الايهام كماقرره العلامة التفتازاني في شرح العقائدوابن الهمام في المسائره وعلى هٰذايمنع هٰذااللفظ وان اريد بالعز عن العرش الذى هوصفةله لان المتبادر ان المراد عزة الله ۔۔۔وتحمل الكراهة المذكورةعلى كراهة التحريم۔

["بمعقدالعزمن عرشک" کہنا مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عرش سے اللہ تعالی کی عزت کے تعلق کا ایہام ہے۔اس لیے کہ "من" حرف جار سے یہ ایہام ہوتا ہے کہ عرش سے اللہ تعالی کی عزت کا تعلق بطور مبدأ ومسأ ہو۔اور معنی محال کا صرف ایہام بھی کلام کے تلفظ کو ناجائز قرار دینے کے لیے کافی ہے چاہے صحیح معنی کا بھی احتمال ہو۔اسی لیے مشائخ کرام نے اس کی تعلیل میں "لانه يوهم الخ" فرمایا ہے۔ اس کی نظیر "ان شاء اللہ میں مسلمان ہوں" کہنے کا حکم ہے؛ کیوں کہ مشائخ نے تعلیق نہیں، تبرک کے ارادے سے بھی کہنے کو مکروہ قرار دیا ہے ؛وجہ یہ ہے کہ اس میں ایہام ہے جیسا کہ شرح عقائد میں علامہ تفتازانی اور مسائرہ میں علامہ ابن ہمام نے اسے مقرر رکھا ہے ۔اسی قاعدہ کی بنیاد پر اس لفظ کا بھی اطلاق ممنوع ہوگا، چاہے "عزعن العرش" سے عرش ہی کی عزت مراد ہو؛ کیوں کہ متبادر اللہ کی عزت ہے۔۔۔اور یہ کراہت، کراہت تحریمی پر محمول ہوگی۔]

دوسری صورت یعنی جب قول معنی کفر میں ظاہر ہو،تو عوام کو ان سے توبہ وتجدایمان کا حکم دیا جاتا ہے مگر تکفیر نہیں کی جاتی۔

فتاوی رضویہ مترجم، ج:۱۵،ص:۳۰۰میں ہے:

کہیں لیلی بنا، کہیں مجنوں، کہیں شیریں بنا، کہیں فرہاد ہے میم کا پردہ کیا پردہ؟ تو اور نہیں میں اور نہیں تریسٹھ برس خدا مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں پھرا کسی نے نہیں پہچانا۔

بظاہر کفر ہے۔۔۔عوام کو ایسا تفوہ (بکنا) کفر کا کھلا راستہ ہے ۔عوام سے مراد وہ ہیں کہ مقام حقائق تک نہ پہنچے، اگرچہ علما کہلاتے ہوں۔ملخصاً

تیسری صورت یعنی جب قول معنی کفر میں متعین ہو،تو قائل کی تکفیر کلامی ہوتی ہے۔

"شفا" شریف کی شرح "نسیم الریاض" مطبوعہ پوربندر، ج:۴،ص:۳۳۵میں ہے:

من قال:فلان اعلم منه صلى الله تعالى عليه وسلم فقدعابه ونقصه فهوساب ،والحكم فيه حكم الساب من غير فرق ،لانستثنى منه صورة،وهٰذكله اجماع من لدن الصحابة رضى الله تعالى عنهم۔

یعنی: جس نے یہ کہا کہ فلاں شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم والا ہے ۔اس نے آپ پر (کم علمی کا) عیب لگایا اور تنقیص کی ،تو وہ گالی دینے والا ہوا۔اس کا حکم کسی فرق کے بغیر وہی ہے جو گالی دینے والے کا حکم ہے ۔ ہم اس سے کسی بھی صورت کا استثنا نہیں کرتے ۔اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے اجماع ہے۔

دوسرا مقدمہ

لفظ "میاں" بمعنی 'آقا' کا اطلاق ،عوامی بول چال میں جس طرح مخلوق کے لیے ہوتا ہے ،کہتے ہیں: شاہ جی میاں، نوری میاں، میاں صاحب ۔اسی طرح خالق کے لیے بھی

ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: اللہ میاں نے فرمایا، یہ اللہ میاں کا حکم ہے۔ جب کہ ''اللہ'' صرف واجب الوجود مستجمع جمیع صفات کمالیہ کا عَلَم ہے۔ اس کا اطلاق مخلوق پر نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن کریم میں ہے:

ہَلْ تَعْلَمُ لَہٗ سَمِیًّا (مریم/۶۵)[کیا اس کے نام کا دوسرا جانتے ہو؟]

تفسیر قرطبی میں ہے:

ای من تسمی باسمه الذی هو الله ـ فالله اسم للموجود الحق الجامع لصفات الالٰهية المنعوت بالنعوت الربوبية المنفرد بالوجود الحقيقی لا اله الا هو سبحانه۔

[کیا جانتے ہو کہ کسی دوسرے کا بھی نام اللہ ہے، اللہ اس موجود برحق، تمام صفات الٰہیہ کے جامع، اوصاف ربوبیت سے متصف، وجود حقیقی میں یکتا کا نام ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے]

تفسیر نسفی میں ہے:

هل يسمى احد باسم الله غيره ؛ لانه مخصوص بالمعبود بالحق۔

[یہ نام معبود برحق ہی کے ساتھ خاص ہے، کیا تم اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا بھی یہ نام جانتے ہو؟]

اور میاں بمعنی ''آقا'' اس کی صفت ہے۔ تو اگر چہ یہ صفت خدا کے لیے خاص نہیں ہے مگر جب موصوف خاص ہے تو اس کی خصوصیت صفت کی عمومیت سے باطل نہیں ہوگی۔ اس لیے جب بھی ''اللہ میاں'' کا اطلاق ہوگا تو ظاہراً واجب الوجود مستجمع جمیع صفات کمالیہ ہی سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مفتی حبیب اللہ علیہ الرحمہ نے بھی اپنے فتوے میں فرمایا ہے: ''کلمہ مذکورہ کا استعمال اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں''۔ لہٰذا عوام کے لیے کسی ''اللہ اللہ'' کا ورد کرنے والے پر ''اللہ میاں'' کا اطلاق کرنا ظاہراً کفر ہوگا، اگر چہ تکفیر نہیں ہوگی اور خواص جو اس کی صحیح تاویل جانتے ہوں، ان کے حق میں کفر تو نہیں، البتہ موہم و منجر الی الکفر ہوگا، جس سے احتراز لازم ہے۔

استاذی و مرشدی و ذخری لیومی وغدی حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا نے بھی مخلوق کے لیے اس لفظ کے اطلاق کو کفر ہی کہا ہے اور تکفیر ہر گز نہیں فرمائی ہے۔ کیوں کہ قول کے کفر ہونے اور قائل کو کافر قرار دینے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کسی قول کو کفر کہنے کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا ہے کہ کہنے والے کے نزدیک اس قول کا قائل دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر و مرتد ہے؛ کیوں کہ قول کے کفر ہونے اور قائل کے کافر ہوجانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

الطاری الداری، تیسرا مفاوضہ عالیہ بجواب خط سوم میں امام احمد رضا فرماتے ہیں:

کفر قائل، و کفریت قول میں فرق ہونا پہلے عرض کر چکا ہوں۔

فتح القدير وبحر الرائق ونهر الفائق ومنح الروض میں ہے:

''ذلک المعتقد في نفسه کفر، فالقائل به قائل بما هو کفر و إن لم يکفر۔''

[وہ اعتقاد فی نفسہ کفر ہے، تو اس کا قائل، قائل کفر ہے اگر چہ اس کی تکفیر نہ ہو]

یہی وجہ ہے کہ مولانا انتخاب قدیری جو تاویل بالحذف کرتے تھے، بار بار حضور مفتی اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر شرف نیاز حاصل کرتے رہے، منقبتیں لکھیں، وصال کے بعد غسل بھی دیا، غسل کے وقت جو کرامت ظاہر ہوئی، اسے بھی ایک منقبت کا حصہ بنایا۔ بعد میں کچھ لوگوں سے اختلاف کی بنا پر مُکَرْ گئے اور قرآن کا ارشاد واذا قیل لہ اتق اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم صادق آیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وفی یدہ القلوب

□□□

پیغمبر اسلام کی عائلی زندگی کی نورانی کرنیں

مفتی جمیل احمد قادری رضوی
بانی جامع رضا پٹنہ

رب تعالی نے انہیں کائنات کا معلم بنا کر بھیجا تھا، اس لئے وہ کبھی ابوقحافہ اور عبدالرحمٰن بن زبیر جیسے معمر لوگوں کو دین سکھاتے (رضی اللہ تعالی عنہما) کبھی علی مرتضیٰ حضرت زید اور حضرت عمر ابن ابی سلمیٰ جیسے بچوں کو اپنی تربیت میں رکھکر دین پڑھاتے جوانوں اور نوجوانوں کے لئے پیغمبر کی ذات پاک ایک چلتی پھرتی درسگاہ تھی، سفر وحضر، بزم ورزم، ہر جگہ، ہر وقت اپنی تعلیمات سے بہرہ ور فرماتے۔طبقہ نسواں کو حاضری مسجد کی اجازت تھی، عیدین کی نمازوں میں عیدگاہ میں حاضر ہوتیں۔

چشمہ نبوت سے علم وحکمت کے فوارے ابل رہے تھے، پیاسوں کا تانتا لگا رہتا خواتین کاشانہ نبوت میں آآ کر مسئلے پوچھا کرتیں، لیکن یہ مرحلہ قدرے مشکل تھا، خواتین کے بعض مخصوص مسائل ایسے ہیں، جنہیں برسر عام نہیں پوچھا جاسکتا۔اگر کوئی جرأت کر بھی کے تو نبوی حیا مانع ہوتی کہ اسے آسان لفظوں میں سمجھایا جاسکے ،اس لئے رب کریم نے محبوب کے حرم پاک میں حضرت خدیجہ کے بعد دس مقدس عورتوں کو بھیجا، جو پیغمبر کی بیوی بن کر تمام امت کی ماں بن گئیں۔ان مقدس ازواج نے پیغمبر اعظم کے ساتھ شب وروز گزار کر پہلے خود کو آراستہ اور پیراستہ کیا، اور پھر تعلیم نسواں کی راہوں کو آسان سے آسان تر بنادیا۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''حضور اکرم ﷺ کا کثرت سے نکاح فرمانا، جو حضور کے ساتھ خاص ہے، اس کا مقصد اندون خانہ کے احکام کی تبلیغ تھی، اور یہ کہ انہیں حضور ﷺ کی خوبیاں معلوم ہوں'' (مدارج النبوت اردو جلد ۱/ ۵۶۵)

بیوی زندگی کے شب وروز کی ساتھی ہوتی ہے، شوہر کی کتاب زندگی کا ایک ایک صفحہ اس کے سامنے ہوتا ہے خواب وبیداری ہو یا غم ومسرت، ہر حال میں شوہر کے ساتھ ہوتی ہے، مرض ومحت کے حالات دیکھتی ہے، غضب ورحم کی کیفیات دیکھتی ہے، گویا شوہر کی زندگی کا منظر اور پس منظر سب کو یکساں دیکھتی ہے۔

اس لئے رب تعالیٰ نے پیغمبر اعظم کی زندگی میں گیارہ عورتیں بھیجیں، جنہوں نے رسول گرامی کی حیات پاک کے ان لمحات کو قریب سے دیکھا جنہیں، دوسری خواتین نہیں دیکھ سکتیں، اور پھر امت کی ان مقدس ماؤں نے موقع بہ موقع ان پاکیزہ اوصاف کو بیان کرنا شروع کیا۔

اب رسول پاک کا مقدس گھرانا تبلیغ دین کا مکمل سرچشمہ بن گیا، علم وہدایت کا نور عالم سے عام تر ہوا عورتوں کے لئے اب کوئی مسئلہ نہیں رہ گیا تو یا کہ درمیخانہ وا ہے، میکشوں کی عام دعوت ہے۔

(۱)۔۔ایک خاتون آئیں، اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ حیض سے فراغت کے بعد غسل کیسے کروں۔؟ نبی گرامی وقار نے فرمایا ''خذی فرصۃ من مسک فتطہری بہا'' ایک خوشبو دار کپڑا لے لو اور اس سے پاکی حاصل کرو۔زبان رسالت سے نکلا ہوا یہ چند لفظی جملہ ان خاتون کی سمجھ میں نہیں آیا، عرض کیں ''کیف اتطہر بہا'' حضور اس سے کیسے پاکی حاصل ہوگی،؟ حضور پاک نے فرمایا تطہری بہا ،اسی سے پاکی حاصل کرو، خاتون

پریشان ہوگئیں، ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا، انہوں نے تین بار اپنا سوال دہرایا، اور ہر بار انہیں وہی جواب ملا، اسی مجلس میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بھی موجود تھیں، جب انہوں نے دیکھا کہ حضور وفورِ حیا کے باعث، آگے کچھ وضاحت کے لئے آمادہ نہیں اور موصوفہ کی سادہ لوحی، مسئلہ سمجھنے سے مانع ہے، تو خود ہی آگے بڑھکر ان خاتون کو اپنی جانب کھینچ لیا اور فرمایا کہ حضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ غسل سے فراغت کے بعد کسی کپڑے میں خوشبو لگا کر خون حیض کی جگہوں پر مل لینا تاکہ مہک دور ہو جائے۔ (بخاری جلد اول ص ۴۵ رمکتبہ مجلس برکات)

(۲)۔ایک دفعہ ام المومنین حضرت صدیقہ سے منی کے بارے میں مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے جواباً فرمایا'

کنت اغسل فی ثوب رسول اللہ ﷺ فیخرج الی الصلوٰۃ واثر الغسل فی ثوبہ" (مشکوٰۃ ۵۲ رمکتبہ مجلس برکات)

یعنی میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھی، پھر سرکار مدینہ اسی گیلے کپڑے میں نماز کے لئے تشریف لے جاتے، حکیم الامت مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں:

"اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ منی نجس ہے، رینٹھ یا تھوک کی طرح پاک نہیں جیسا کہ شوافع کا خیال ہے، ورنہ دھونے کی ضرورت نہ پڑتی دوسرے یہ کہ اپنی بیوی سے منی کا کپڑا دھلوانا جائز ہے۔ کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کی خدمت ہے، تیسرے یہ کہ نجس کپڑا دھونے کے بعد ہی پاک ہوتا ہے چوتھے یہ کہ گیلے کپڑے میں نماز جائز ہے۔'

(مرآۃ المناجیح جلد اول، ص ۳۱۴ رالکبیر پبلیکیشنز دہلی)

معلم کائنات کی ایک ایک ادا علم وحکمت کا منبع ہوا کرتی پیغمبر اسلام کی عائلی زندگی کے شب و روز بظاہر عام سے ہوتے لیکن امت کے لئے علم وآگہی کے تابناک نقوش ہوتے۔

(۳)۔کاشانہ اقدس میں دعوت کا اہتمام تھا، صحابہ کرام جوق در جوق آتے اور کھا کر واپس جاتے تین صاحبان کھانے سے فارغ ہو کر بھی بیٹھے باتیں کرتے رہے مسلسلہ گفتگو طویل ہوتا گیا، اور اچھا خاصا وقت صرف ہوگیا، نبی رحمت ﷺ نے چاہا کہ انہیں رخصت کر دیں مگر حیا اور اخلاق کریمانہ نے ایسا کرنے نہ دیا۔ تفسیر جلالین کے حاشیہ میں ہے۔

"**فقام رسول اللہ ﷺ لیخرجوا فلم یخرجوا وکان رسول اللہ ﷺ شدید الحیاء لایقول منھم شیا**" (حاشیہ جلالین ص ۲۵۶) یعنی حضور انور وہاں اس ارادے سے تشریف لے گئے کہ وہ لوگ دیکھ کر نکل جائیں گے۔ (مگر ایسا ہوا نہیں) وہ حضرات نہیں نکلے اور نبی پاک کل حال یہ تھا کہ آپ حد درجہ حیا فرمانے والے تھے ان سے کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔

تو رب تعالیٰ نے جبریل امین کو بھیجا اور حکم فرمایا کہ:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ"

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ مثلاً کھانے کے لیے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا (سورۃ الاحزاب، آیت: ۵۳)

پیغمبر کی ازدواجی زندگی کی مقدس کرنیں کس قدر ضوفشاں ہیں کہ ان کی روشنی میں ایک طرف نبی گرامی کے حسن اخلاق اور کمال حیا کے جلوے نظر آتے ہیں، تو دوسری طرف ان کی محبوبیت کے پرتو دکھائی دیتے ہیں۔

مہمانوں کی غفلت شعاری نے محبوب کے آرام میں خلل ڈالا تو رب ذوالجلال کی غیرت جوش میں آئی اور جبریل امین کو دھرتی پر اتار دیا اور بارگاہ رسالت کی عظمت واہمیت بیان فرماتے ہوئے قیامت کے لئے اصول مہمانی مرتب فرمادیا کہ ایمان والو:

الف۔۔۔بنی کے گھر بن بلائے نہیں جاسکتے۔
ب۔۔۔جب بلائے جاؤ تب حاضر ہو۔
ج۔۔۔جب کھانا کھالو تو وہاں رکو مت۔
د۔۔۔کاشانہ اقدس میں بیٹھ کر باتوں میں دل نہ بہلاؤ۔
ہ۔۔۔تمہارے کسی بھی کام سے بنی پاک کو ایذا نہیں پہنچنی چاہئے۔
و۔۔۔میزبان نہایت بامروت ہے، تمہارا لحاظ فرماتا ہے، اس لئے تم بھی بے مروتی نہ کرو۔

ترا مسند ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

(۴)۔۔۔حرم نبوت میں رہنے والی امت کی مقدس باتیں، ذہانت وفطانت میں اپنی مثال آپ تھیں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار نے جو شرائط پیش کی تھیں وہ صحابہ ورسول کی غیرت وشجاعت کے منہ پر طمانچہ سے کم نہ تھیں، یہ اور بات ہے کہ نگاہ نبوت کی دور بینی نے اسلام ومسلمین کی صلاح وفلاح اسی میں دیکھی تھی، بلکہ مرضی مولا بھی وہی تھی، صلح نامے پر فریقین کے دستخط ہو چکے طے پایا کہ اس سال مسلمانوں کو مقام حدیبیہ سے واپس جانا ہوگا، اس لئے بنی پاک ﷺ نے جاں نثاروں سے فرمایا کہ اسی مقام پر اپنے جانور قربان کر کے سر منڈاؤ اور احرام کھول دو حکم رسالت سن کر کسی بھی صحابی نے جنبش نہیں کی ان پر تو جیسے غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے، گم صم پڑے رہے، ادھر رحمۃ للعالمین حالات کی سنگینی محسوس فرما کر دوبارہ کچھ نہیں کہا، البتہ اندر سے پریشان تھے۔ بالآخر آپ نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تذکرہ فرمایا انہوں نے فراست مومنانہ سے اتنا سنگین مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے الفاظ ہیں ''ام المومنین نے عرض کیا'' یارسول اللہ ﷺ انہیں معذور جانئے، کیوں کہ ان کو عظیم صدمہ اور ملال پہنچا ہے، ان کے دل فتح مکہ کی آس لگائے ہوئے تھے، اور یقین کئے ہوئے تھے کہ عمرہ کر کے لوٹیں گے باوجود فقدان مطلوب (مقصد پورا نہ ہونے کے باوجود آپ نے قریش کے ساتھ صلح کر لی، اور جو کچھ ان کو آپ سے خواہش تھی، قبول نہ فرمایا، اگر آپ کی خاطر مبارک میں یہ ہے کہ صحابہ قربانی کریں، اور اپنے سر منڈوائیں، تو آپ اٹھئے اور کسی سے کچھ نہ فرمائے، اپنے اونٹوں کا نحر (قربانی) فرمائے، اور اپنے سر مبارک کو مونڈائے، جب وہ دیکھا کہ آپ ایسا کر رہے ہیں، تو ان کو یہ خبر آپ کی متابعت (آپ کی پیروں کے علاوہ) کوئی چارہ نہ ہوگا، وہ سب بھی وہی کرنے لگیں گے جو آپ کریں گے، (مدارج النبوت ج ۲ ص ۲۷۰)

خدا گواہ ہے کہ وہی ہوا پیغمبر اعظم نے اپنے مقدس ہاتھوں سے بیس اونٹوں کو نحر فرمایا، صحابہ کرام نے اپنے اپنے جانور قربان کئے، کچھ لوگوں نے سر منڈاتے کچھ نے بال کٹوائے، الغرض دیکھتے ہی دیکھتے حدیبیہ کے دامن میں اتباع رسول کے پرپرے لہرانے لگے۔

نبی پاک کی شادی شدہ زندگی کی معطر کونوں نے باغ امت کے حیات کے بہت سارے گوشوں کو روشن کیا،

(۵)۔۔۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنا حال بیان فرماتی ہیں کہ:

''میں اور حضور ﷺ ایک ہی برتن میں غسل کرتے تھے، حالاں کہ ہم دونوں جنبی ہوتے، آپ مجھے حکم دیتے، میں تہہ بند باندھ لیتی، تو مجھ سے جسم مس کرتے، حالاں کہ میں حائضہ ہوتی اور اپنا سر مبارک بحالت اعتکاف میری طرف نکال دیتے، میں دھوتی، حالاں کہ میں حائضہ ہوتی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۶۵ مجلس برکات)

حیات طیبہ کا یہ گوشہ نہیں گویا احکام شرعیہ کا گلدستہ ہے فقہاء نے اس سے بہت سارے احکام نکالے ہیں:

شارح حدیث الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ سے مساس جائز ہے مگر یہ اس کے لئے ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو، اگر صحبت کر لینے کا اندیشہ ہو تو نہ کرے، جیسے روزہ دار کے لئے بیوی کا بوسہ کہ جوان کے لئے مکروہ، بوڑھے کے لئے جائز۔''

(ام المومنین نے جو اپنا واقعہ اپنی زبان سے بیان فرمایا اس کے لئے فرماتے ہیں) اپنا واقعہ اس لئے فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ میں

سنی سنائی نہیں کہہ رہی ہوں بلکہ تجربہ سے کہتی ہوں، میرا خود عمل رہا ہے۔ یہ ایک قسم کی تبلیغ ہے، بے تہذیبی ہی نہیں۔

آج ڈاکٹر طبی مسائل نہایت کھلے کھلے بیان کرتے ہیں اسے بدتہذیبی کہنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس سے معلوم ہوا کہ معتکف مسجد سے نکل نہیں سکتا لیکن بعض اعاء نکال سکتا ہے، اور حائضہ اپنے خاوند کی خدمت کرسکتی ہے، اس کے جسم کو چھوسکتی ہے۔''

مرئۃ المناجیح جلد اول، ص ۳۳۸)

(۶) اسی طرح حضرت صدیقہ نے ایک اور موقع پر فرمایا:

''میں بحالت حیض میں پانی پیتی اور پھر وہی برتن حضور ﷺ کو دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ والی جگہ پر رکھ کر پیتے اور میں بحالت حیض ہڈی چوستی پھر آپ کو دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ کی جگہ رکھتے (مشکوٰۃ، ص: ۵۶)

اس کے بارے میں مرۃ المناجیح میں لکھا ہے کہ:

''اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوتے ایک یہ کہ اپنی بیوی کا جوٹھا کھانا پینا جائز ہے۔ بلکہ سنت سے ثابت، فقہاء جو مرد کو عورت کا چوٹھا کھانے سے منع کرتے ہیں وہاں اجنبی عورت مراد ہے، لہٰذا وہ مسئلہ اس حدیث کے خلاف ہے، دوسرے یہ کہ حضور ﷺ کی زندگی پاک نہایت سادہ اور بے تکلف تھی، امت کو سادگی اختیار کرنی چاہئیے، تیسرا یہ کہ ہڈی منہ سے چوسنا سنت ہے کانٹے سے کھانا طریقہ نصاریٰ (انگریزوں کا طریقہ) ہے چوتھے یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ وہ خوش نصیب بی بی ہیں کہ بارہا ان کا لعاب حضور کے لعاب کے ساتھ جمع ہوا، خصوصاً وفات شریف کے وقت مسواک میں۔ حضور کا یہ ہڈی چوسنا گوشت چوسنا، گوشت چھڑانے کے لئے نہ ہوتا تھا، وہ تو پہلے چھوٹ چکا ہوتا تھا، بلکہ محبوبیت ظاہر فرمانے کے لئے۔'' (مرآۃ المناجیح جلد اول ص ۳۳۹)

ابھی حال ہی میں ایک ہندو دانشور نے بہت سارے غیر مسلموں کے سامنے علی الاعلان کہا کہ محمد صاحب جیسا پوری دنیا میں آج تک کوئی انسان نہیں گزرا، وہ ایک وقت میں ساسک (حکمراں) بھی تھے، لوگوں کو اچھی بات بتانے والے بھی تھے، اور غالباً تاجر کہا کہ وہ تاجر بھی تھے، میں کہتا ہوں کہ اگر اس نے گہرائی سے میرے پیغمبر کی گھریلو زندگی کو پڑھا ہوتا تو کہتا کہ بنی دوعالم جب دودھ پیتے بچے تھے تو کائنات میں ان کے جیسا کوئی بچہ نہ تھا، عالم شیرخوارگی میں بھی عدل ومساوات اور دوسروں کے حقوق کا تحفظ فرماتے، جیسا کہ حسان ہند نے اپنے اشعار میں بیان فرمایا ہے:

بھائیوں کے لئے ترک پستان
دودھ پیتوں کی نصفت پہ لاکھوں سلام

یعنی بنی پاک ﷺ جب بچپنے میں اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیتے تو دونوں چھاتیوں کا دودھ تنہا نہیں پیتے بلکہ حضرت حلیمہ کے دوسرے بچے کے لئے دوسری چھاتی چھوڑ دیتے ایک ننھے سے بچے کو یہ کیسے پتہ تھا کہ اسکے ساتھ اسکی والدہ کا دودھ پینے والا دوسرا بچہ بھی ہے، ایسا بچہ اگر کائنات میں کوئی ہے تو وہ صرف اور صرف پیغمبر ہیں۔

میرے نبی کے لڑکپن کا وہ عہد دیکھا جب آپ بکریاں چرا رہے تھے تو کہہ۔۔۔کہ ایسا سمجھدار اور دوسروں کا بوجھ ہلکا کرنے والا بچہ سارے عالم میں کہیں نہیں دیکھا کہ حضرت حلیمہ اپنی نظروں کے سامنے اس مکی چاند کو رکھنا چاہتی تھیں، مگر کائنات کے اس غمگسار کو یہ فکر ستائے جارہی تھی کہ میرا دودھ شریک بھائی تن تنہا سارا دن بکریاں چراتا ہے، کیوں کہ اسکی مدد کی جائے، اس کے رفیق کار بن کر اس کا بوجھ ہلکا کیا جائے، اور پھر اس کے ساتھ خود بھی بکریاں چرانے لگے۔

وہ غیر مسلم دانشور اگر ہمارے نبی کی ازدواجی زندگی کے گوشوں کو دیکھ لیتا تو کہتا کہ ایسا انسانیت نواز اور رحم وکرم کا پیکر خالق کائنات نے دوسرا بنایا ہی نہیں۔

ایسا ناز وں کا پالا کہ جبریل امین جس کا جھولا جھوئیں، انگلیوں کے اشارے پر چاند جھک جھک کر دل بہلائے، جب راہ چلے تو بادل اس کے سر پر سایہ فگن ہو، فرشتے خدمت گاری کے لئے کوشاں ہوں۔

مکاں عرش ان کا فلک فرش ان کا
ملک خادماں سرائے محمد ﷺ

بہ نظر ظاہر دیکھا تو سارا گھر خادموں سے بھرا ہے، ازواج مطہرات اطاعت گواری کے لئے اشارہ ابرو کی منتظر مگر پھر بھی انسانیت کی عظمت کو معراج بخشنے والا میرا رسول جب ۔۔۔اپنے گھر تشریف لائے تو جانوروں کو اپنے ہاتھوں سے چارہ دئے، خود ہی ان کا دودھ نکالے، اپنا جوتا انے ہی مقدس ہاتھوں سے ۔۔۔۔گھر کی عورتوں کا گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹاتے، ان بکھرے جلوؤں کو اگر ہندو دانشور دیکھتا تو کہتا کہ دھرتی ماتا کی گود میں مانو۔۔۔۔کے ماتھے کا تاج پہلی بار۔۔لیا ہے۔

() سادگی کا یہ عالم کہ ایک ہی چادر ہے، گھر کی خاتون۔۔۔کو اپنے جسم پر ڈالے سو رہی اور دوسرا حصہ نبی دو عالم اپنے جسم اطہر پر ڈالے نماز پڑھ رہے ہیں۔

حضرت میمونہ فرماتی ہیں کان رسول اللہ ﷺ یصلی فی ۔۔۔بعضہ۔۔وبعضہ علیہ وانا حائض، (مشکوۃ ص ۵۶) نبی کی سادہ سی اداؤں نے امت کے لیے مسائل شرعیہ کے دفتر کھول دیئے، تحقیقی کہتے ہیں۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا جسم نجس حقیقی نہیں، ورنہ ایا اس کپڑا جس کا بعض حصہ نجاست پر ہوا سے اوڑھ کر یا پہن کر نماز پڑھنا ممنوع ہے۔" مرآۃ المناجیح جلد اول ص ۳۳۹)

() ہمارے رسول پاک پر تہجد کی نماز فرض تھی آپ اسے عموما اپنے گھر پر ہی پڑھا کرتے تھے حالاں کہ مسجد نبوی بعض بیویوں کے مکان سے کچھ ہی قدم کے فاصلے پر تھی ام المومنین عائشہ صدیقہ کے مکان سے تو صرف ایک دیوار کا فاصلہ تھا، اور وہ دیوار بھی مکمل نہ تھی۔ وہاں دروازہ لگا دیا گیا تھا، جہاں ہمیشہ پردہ لٹکا رہتا، حجرہ عائشہ سے مسجد نبوی کا فاصلہ سمجھنا ہو تو ایسے سمجھیں کہ سرکار ابد قرار اعتکاف کی حالت میں مسجد میں جلوہ گر ہوتے اور اپنا سر مبارک پردے کے اس پار کر دیتے تو حضرت صدیقہ اسے دھو کر کنگھی وغیرہ کر دیا کرتی تھی، یعنی اتنا کم فاصلہ تھا کہ کبھی کبھی ام المومنین اپنا ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مسجد میں حضور کو دے دیا کرتیں تھیں۔

ایسے میں نماز تہجد کے لئے مسجد جانا کتنا آسان تھا مگر نبی پاک ﷺ جب اپنی ازواج کیساتھ آرام فرما ہوتے تو اسی بستر پر نماز پڑھ لیتے۔ امام بخاری نے ایسی ہی ایک روایت لکھی ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضور کے سامنے اپنے بستر پر سویا کرتی اور میرا پاؤں کے قبلہ میں یعنی سجدے کی جگہ پر ہوتا حضور جب سجدہ کرتے تو مجھے اشارہ کرتے ہیں اپنے پیروں کو سمیٹ لیتی اور جب قیام کے لے کھڑے ہوتے تو میں پھر اپنے پاؤں پھیلا لیتی ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔ (بخاری ج اول ص ۷۳ مجلس برکات)

یعنی رات تاریک ہوتی حضور اپنے بستر پاک پر محو عبادت ہوتے پاس ہی میں نہایت ہی قریب عائشہ صدیقہ سو رہی ہوتیں، جہاں حضور پاک کو سجدہ کرنا تھا اس جگہ حضرت صدیقہ کا پاؤں ہوتا، جونکہ وہ محو خواب ہوتیں، اس لئے نبی گرامی جب سجدے میں جاتے تو ہاتھ سے چھو کر اطلاع فرما دیتے، صدیقہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتی، اور حضور جیسے ہی سجدے سے فارغ ہوتے حسب سابق وہ پیر پسار لیتیں۔

(الف) جب مسجد قریب تھی تو سرکار مدینہ مسجد ہی میں ہی کیوں نہیں جا کر نماز پڑھتے؟

اس کے پیچھے یہ حکمت نظر آتی ہے کہ ازواج مطہرات متعدد تھیں، سب کی باری چندروز بعد ایک شب کے لئے آیا کرتی اس میں بھی نماز کے لئے حضور تشریف لے جاتے تو کچھ وقت ان کی باری سے الگ صرف ہوتا۔

رحمت دو جہاں کی کرم نوازی نے اس چھوٹی سی بات کو بھی گوارا نہ کیا کہ کسی زوجہ کے وقت میں کچھ کمی آنے دیا جائے، لہذا انہیں کے مکان میں نماز ادا کر لی تا کہ نماز بھی ہو جائے اور کسی کی ظاہری حق تلفی نہ ہو۔

(ب) معلم کائنات ﷺ کی ہر ہر ادا امت کے لئے مشعل

راہ ہے، نبی گرامی نے زبان سے نہ فرما کر اپنے مقدس عمل سے امت کو سمجھا دیا کہ حقوق نسواں کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی باتوں کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے، خوش قسمتی سے اگر کسی کی دو چند بیویاں ہوں تو ان کے مابین برابری کی ہر ممکن کوشش کرے۔

(ج) حضور انور چاہتے تو حکم فرماتے کہ عائشہ میں نماز پڑھنے والا ہوں اٹھ کر بیٹھ جاؤ، یا کچھ دیر کے لئے ادھر ہو جاؤ، مگر سرکار نے ایسا کبھی نہیں کیا کیوں کہ اپنے فائدے کے لئے دوسرے کو تکلیف دینا شرعی مزاج اور اسلامی روح کے خلاف تھا، جس اسلام میں ایک چیونٹی کو بے ضرورت تکلیف دینا ممنوع ہے، اس مذہب کے داعی یعنی مقدس رسول کسی جیتے جاگتے انسان کو کیسے زحمت دے سکتے تھے، اور انسان بھی کون، شریک حیات، قرار جسم و جان، نصف ایمان یعنی، اپنی بیوی، ایسے میں تو مرد کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کیوں کہ جو جتنا قریب ہوتا ہے اس کے حقوق اتنے ہی اہم ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا حدیث پاک سے چند مسئلے معلوم ہوئے:

تاریکی میں نماز پڑھنا جائز ہے، بلکہ سنت رسول ہے کبھی کبھی ادائے سنت کی نیت سے کچھ نمازیں اندھیرے میں بھی پڑھ لینا چاہئے۔

(۲) عام حالت میں نمازی کے سامنے اگر کوئی سو رہا ہو تو وہاں نماز پڑھنے سے پرہیز کیا جائے گا کہیں اچانک کروٹ نہ بدل دے۔ (فتاویٰ رضویہ دوم، ص: ۶۶۷، قدیم)

مگر سخت تاریکی وغیرہ کی صورت میں جب کہ ایک دوسرے کی شکل نظر نہ آتی ہو نماز ہو جائے گی یہاں علت مفقود ہے۔

(۳) حالت نماز میں عورت اگر سامنے ہو اور چہرہ دوسری طرف ہو یعنی سامنا نہ ہوتا ہو تو مرد کی نماز ہو جائے گی۔

(۴) حالت نماز میں عورت کا بدن بلا قصد چھو جائے یا بیوی وغیرہ محارم کا جسم بالقصد بہ ضرورت چھوئے تو نماز ہو جائے گی۔

ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں ام المومنین کا ارشاد ہے "والبیوت یومیذ لیست فیہا مصابیح" یعنی ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی ہجرت کے بعد ہوئی، حضور کا ان کے حجرہ پاک میں نماز پڑھنا مدینہ میں جانے کے بعد ہوا تھا یعنی سرکار کی عمر پاک کے پچاس پچپن سال بعد اور ام المومنین فرماتی ہیں کہ ان دنوں گھر میں چراغ جلانے کا رواج نہیں تھا، خود مسجد نبوی میں چراغ نہیں جلتا تھا، حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ بھوک کی شدت سے مجھ پر غشی طاری ہو جاتی، میں زمین پر گر جاتا تو اور لوگ جب نماز پڑھکر نکلتے تو ہمارے جسم کو روندتے ہوئے جاتے، یعنی تاریکی کی وجہ سے پتہ نہیں چلتا ایک طرف تو سچائی یہ ہے، اور دوسری طرف ہمارے خطباء تقریروں میں بتایا کرتے ہیں کہ جب نبی پاک کی ولادت ہوئی تھی تو عورتیں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کرتیں کہ آمنہ تیل اتنا مہنگا ہو گیا ہے، پھر بھی تم رات رات بھر چراغ کیوں جلاتی ہو؟ یعنی ولادت رسول کے وقت چراغ جلانے کا رواج تھا، کتنی عجیب بات ہے کہ جب پچاس پچپن سال بعد تک عرب والے بغیر چراغ کے رہتے تھے، تو ولادت رسول کے وقت چراغ کا مسئلہ کہاں سے پیدا ہو گیا، حضور پاک کی نورانیت کو جلتے چراغ کی روشنی جیسا سمجھنا اور سمجھانا چھوٹ کم عقلی اور حقائق سے لاعلمی ہے۔ وقت ولادت جو نور ظاہر ہوا تھا اس نے سورج کو بھی مات دیا تھا، مکہ میں روز سورج طلوع ہوتا، مگر مکہ والوں نے ایرانی بادشاہ کسریٰ کا محل کبھی نہیں دیکھا، مگر نور محمدی کی ضیا بار کرنوں نے مکہ کے باشندوں کو گھر بیٹھے ایران کے مناظر دکھا دیئے، ایسی جھلک اور تابناکی کو چراغ کی روشنی سمجھنا اور سمجھانا بد عقلی ہے۔

***

پیغمبر اسلام کے طبی فرمودات

مفتی محمد منظر مصطفیٰ نازؔ صدیقی اشرفی
صدر شعبۂ افتا مرکز اہل سنت دار العلوم نوری، اندور

اگر ایک انسان ساری عمر سجدے میں پڑا رہ کر اس عظیم احسان کا شکریہ ادا کرنا چاہے جو کہ رب العالمین نے خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں کیا ہے، ادا نہیں کر سکتا، کیوں کہ حضور ﷺ کو تو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے امن کے قیام و استحکام کے لیے ساری زندگی صرف کی، بندوں کو اللہ سے ملایا۔ غریبی ہو یا امیری، رنج ہو یا راحت، حزن ہو یا مسرت ہر موقع اور مقام پر انسانیت کی راہ نمائی کی۔ ان کی تعلیم نے جہاں ایک طرف تمام انسانوں کو بھائی بھائی قرار دیا، جانی دشمنوں کو امن و امان عطا کیا، وہیں دوسری جانب غیر مسلموں کو جان و مال، عزت و آبرو اور دیگر حقوقِ انسانی کی حفاظت میں مسلمانوں کے ہم پلّہ اور مساوی قرار دیا۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ یہودیوں، عیسائیوں، منافقین اور تمام مخالفین کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کیا اور ان کے ہر طرح کے حقوق کی حفاظت کی ضمانت دی۔ کتنی محبت تھی ان کی اپنی امت سے، ذرا اس روایت سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ نبوت ملی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمانے لگے: اے خدیجہ! میرے آرام کے دن ختم ہو گئے۔ مگر اپنی امت کی غم میں درد و فکر میں تو ان کے سینے سے ہانڈی کے ابلنے کی جیسی آواز آتی تھی، حضور ﷺ کی ذات پاک تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر آئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ:

''میں امن کا شہزادہ ہوں''

لیکن امن و سلامتی کے شہنشاہ اعظم حضرت محمد ﷺ کو رب العالمین ہی نے خطاب کیا:

''وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ'' (سورۂ انبیا، آیت: ۱۰۷)

(محمد ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

وہ آقا ﷺ صرف ایک اعتبار سے نہیں بلکہ ہر اعتبار سے امت کے لیے رحمت ہیں، اسی لیے ہمارا ایمان ہے کہ جس طرح ہماری بیمار روح کو آقا ﷺ شفا دیتے ہیں، اسی طرح ہمارے جسم و جسمانیت کے لیے بھی طبیب حاذق ہیں۔ کیوں کہ ہم نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ ﷺ کے ماننے والے ہیں اور ہم اس بات پہ یقین بھی رکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے ہر بیماری کا علاج رکھا ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارکہ کا مفہوم ہے کہ:

''اے اللہ کے بندو بیماریوں میں علاج کراؤ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں بھیجی جس کا علاج نہ ہو۔''

یہ اور بات ہے کہ ہمارا یقین آج انگریزی دواؤں اور انگریزی طریقۂ علاج کی طرف زیادہ ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ طب نبوی کو بھولتی جا رہی ہے۔ آج اگر دنیا طب نبوی کو اپنائے تو کوئی بھی لا علاج مرض باقی نہیں رہے گا۔ یہ دنیا تمام امراض سے پاک ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

بلا شبہ دوائی کرنا سنت اور مستحب ہے۔ شفا اللہ کے حکم سے ہی ہوتی ہے، نبی اکرم ﷺ نے بعض چیزوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، جن میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے۔ ذیل میں ان کا ذکر ملاحظہ فرمائیں:

[۱] سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:
"إنَ فی الحبَة السوداء شفاء مِنْ کل داء إلا السام" (صحیح بخاری: 5688، صحیح مسلم: 2215) کلونجی میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفا ہے۔

[۲] سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"ثلاثٌ فیھِنَ شِفاءٌ من کلِ داءٍ ، إلَا السَامَ" (السنن الکبری للنسائی : 3467) یعنی تین چیزوں میں سوائے موت کے ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔ان میں سے ایک چیز سنائے مکی ہے۔

[۳] سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:
"مَنْ تَصَبَّحَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً لَمْ يَضُرَّهُ فِي ذَٰلِكَ الْيَوْمِ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ" (صحیح بخاری: 5769، صحیح مسلم: 2047)۔
جو آدمی صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھالے، اسے اس دن زہر اور جادو نقصان نہ دے سکے گا۔

[۴] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
"اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُم مِنَ الطَّعَامِ فَلَا یَمسَح یَدَہ حَتیٰ یَلعَقَھَا او یُلعِقَھَا"۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2031)
جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو وہ اپنا ہاتھ نہ پونچھے یہاں تک کہ اسے (انگلیاں) چاٹ لے۔
ایک خبر کے مطابق جرمنی کے طبی ماہرین نے تحقیق کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ
" انسان کی انگلیوں کے پوروں پر موجود خاص قسم کی پروٹین اسے دست، قے اور ہیضے جیسی بیماریوں سے بچاتی ہے۔ ماہرین کے مطابق وہ بیکٹیریا جنہیں "ای کولائی" کہتے ہیں، جب انگلیوں کی پوروں پر آتے ہیں تو پوروں پر موجود پروٹین ان مضر صحت بیکٹیریا کو ختم کر دیتی ہے۔ اس طرح یہ جراثیم انسانی جسم پر رہ کر مضر اثرات پیدا نہیں کرتے، خاص طور پر جب انسان کو پسینہ آتا ہے تو جراثیم کش پروٹین متحرک ہو جاتی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اگر یہ پروٹین نہ ہوتی تو بچوں میں ہیضے، دست اور قے کی بیماریاں بہت زیادہ ہوتیں۔"
کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کا حکم پیغمبر اسلام ﷺ چودہ صدی پہلے دیا اور اس میں جو حکمت کارفرما ہے اس کی تصدیق طبی سائنس داں اس دور میں کر رہے ہیں۔
اس کے علاوہ بھی لاتعداد احادیث مبارکہ اور آیات کریمہ موجود ہیں کہ جن میں مختلف بیماریوں سے شفاء کے بارے میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ طب نبوی کیا ہے؟ دراصل طب نبوی چار چیزوں کا مجموعہ ہے:
اول: وہ غذائیں جو آپ ﷺ نے مختلف امراض کے علاج کے لیے تجویز فرمائیں۔
دوم: وہ دوائیں یعنی جڑی بوٹیاں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور علاج ثابت ہیں۔
سوم: حجامہ یعنی فاسد خون نکلوانے کا عمل۔
چہارم: وہ دعائیں جو آپ ﷺ نے وقتاً فوقتاً مختلف جسمانی و روحانی امراض کے علاج کے لیے تلقین فرمائیں۔
جیسا کہ معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کے ہر گروہ نے عرض کیا کہ آپ اپنی امت کو حجامہ سے علاج کا حکم فرمائیں۔ (ابن ماجہ، 2818)
حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:
"ان امثل ماتداویتم الحجامة"۔ (بخاری: 5797) ترجمہ: سب سے بہترین دوا جس سے تم علاج کرو وہ حجامہ لگوانا ہے۔
حضور اکرم ﷺ کی ذات سے جس طرح ہمیں دین کے احکام ملے ہیں، اسی طرح طب میں بھی آں حضرت ﷺ نے ہماری مکمل راہ

نمائی فرمائی ہے۔موجودہ دور میں مغربیت کی یلغار کی وجہ سے جہاں اور شعبوں میں مسلمانوں نے غیروں کی روش اختیار کی، وہاں طب کا انتہائی اہم شعبہ بھی متاثر ہوا اور ہم علاج کے سلسلہ میں بھی مغربیت کی تقلید کی وجہ سے اپنا قیمتی حدیث نبوی کے مطابق "حجامہ مردوں اور عورتوں کی ستر سے زائد بیماریوں کا موثر علاج ہے"۔آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے اس سچے فرمانِ عالی شان کے مطابق قدیم وجدید امراض مثلاً: بلڈ پریشر، اٹھرا، شوگر، درد گردہ، موٹاپا، قبض، ٹینشن، خرابی خون، فالج، لقوہ، جوڑوں کا درد، ہمہ قسم درد، بے اولادی، مائیگرین، بواسیر، دمہ، لیکوریا، الرجی، خارش، مرگی، امراض معدہ، ہیپاٹائٹس، کینسر، ٹی بی وغیرہ جیسے موذی اور خطرناک امراض میں مبتلا ہزاروں مریض اس مبارک طریقہ علاج سے بحمداللہ! شفایاب بھی ہوتے ہیں۔حضور نبی اکرم ﷺ کی "سیرتِ طیبہ" میں طب کے حوالے سے نہایت قیمتی ہدایات ملتی ہیں ۔ یہ ایسی ہدایات ہیں جو ہر دور میں دنیا کے لئے مشعل راہ بنیں۔

اب یہاں پر امراض کے حوالے سے یہ بھی سمجھنا ضروری ہوگا کہ موسم، آب وہوا، خطۂ بیماری کی نوعیت، طریقۂ استعمال اور انسانی مزاج کے لحاظ سے علاج میں فرق آتا ہے اس لئے ان نسخوں کو استعمال میں لانے سے پہلے ان باتوں کا خیال رکھنا لازم ہے۔

اب ذرا دوسرے رخ سے حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ کو بحیثیت طبیب حاذق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، بایں طور کہ مندرجہ ذیل ہدایات نبوی کو ملاحظہ کریں:

[۱] ہر بیماری قابل علاج ہے:

اس حوالے سے میرے نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العزت نے دنیا میں کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری جس کی کوئی دوا نہ ہو۔ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ دَآءً اِلَّا اَنْزَلَ لَہٗ شِفَآءً۔ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نازل نہیں فرمائی جس کی شفا نہ اُتاری ہو۔
(بخاری، ج4،ص16، حدیث :5678)

[۲] بیماریوں کا مرکز:

بیماریوں کا مرکز کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کے جسم میں معدہ تالاب کی مانند ہے۔ پورے جسم کی رگیں معدے تک پہنچتی ہیں- جب معدہ صحتمند ہوتا ہے تو رگیں پورے جسم میں صحت وتندرستی منتقل کرتی ہیں اور جب معدہ بیمار پڑ جاتا ہے تو رگیں پورے جسم میں بیماری پھنچا دیتی ھیں۔

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "المِعِدَةُ حَوْضُ البَدَنِ وَالعُرُوقُ إِلَيْهَا وَارِدَةٌ فَإِذَا صَحَّتِ المِعِدَةُ صَدَرَتِ العُرُوقُ بِالصِّحَّةِ وَإِذَا فَسَدَتِ المِعِدَةُ صَدَرَتِ العُرُوقُ بِالسقم"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "معدہ بدن کا حوض ہے، جبکہ رگیں (ہر طرف سے) اس کی طرف آتی ہیں، جب معدہ درست ہوگا تو رگیں تندرستی لے کر واپس آتی ہیں، اور جب معدہ بیمار ہوتا ہے، تو رگیں بیماری لے کر واپس آتی ہیں۔موضوع، رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔
[مشکوۃ المصابیح/کتاب الطب والرقی/حدیث:4566]

[۳] کیا ایک کی بیماری دوسرے کو لگ سکتی ہے؟:

اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا عَدْوٰی وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةَ "یعنی نہ بیماری کا اُڑ کر لگنا ہے، نہ صَفَر کی نحوست ہے نہ اُلّو کی نحوست ہے۔ایک اعرابی نے عرض کی: یارسولَ اللہ! پھر کیا وجہ ہے کہ میرے اونٹ مٹی میں ہرن کی طرح (چست، تندرست وتوانا) ہوتے ہیں، تو ایک خارش زدہ اونٹ ان میں داخل ہوتا ہے اور ان کو بھی خارش زدہ کر دیتا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: پہلے کو کس سے خارش لگی ؟
(بخاری، ج4،ص26، حدیث:5717)

[۴] کسی جگہ خارش پھیل جائے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

اور اگر کسی علاقے میں کوئی وبا (مثلاً طاعون وغیرہ) پھیل جائے تو اس حوالے سے مختلف کتب حدیث میں روایات منقول ہیں کہ جس جگہ طاعون کا مرض پھیل جائے وہاں جانے سے رسول اللہ

ﷺ نے منع فرمایا، اور جہاں آدمی موجود ہو، اور وہاں طاعون کا مرض پھیل جائے تو ڈر کر وہاں سے بھاگنے سے منع فرمایا۔ یہ روایات صحیح اسناد سے ثابت ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

"حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَعَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَسْأَلُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ مَاذَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الطَّاعُونِ فَقَالَ أُسَامَةُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعُونُ رِجْسٌ أُرْسِلَ عَلَى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَوْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا يُخْرِجُكُمْ إِلَّا فِرَارًا مِنْهُ"

(صحیح البخاری ، باب من انتظر حتی تدفن:۴/۱۷۵،ط:دارطوق النجاۃ)

[۵] شدید مجبوری میں حرام اشیاء سے علاج:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مدینہ منورہ میں چند لوگوں کے پیٹ خراب ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں اونٹوں کے چرواہے کے پاس جائیں اور اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پئیں: روایت ملاحظہ فرمائیں:

"عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَاسًا اجْتَوَوْا فِي الْمَدِينَةِ فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ أَنْ يَلْحَقُوا بِرَاعِيهِ يَعْنِي الْإِبِلَ فَيَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا فَلَحِقُوا بِرَاعِيهِ فَشَرِبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا حَتَّى صَلَحَتْ أَبْدَانُهُمْ فَقَتَلُوا الرَّاعِيَ وَسَاقُوا الْإِبِلَ فَبَلَغَ النَّبِيَّ فَبَعَثَ فِي طَلَبِهِمْ فَجِيءَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ."

"حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کچھ لوگوں کو مدینہ طیبہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ اس چرواہے کے پاس چلے جائیں جو آپ نے اونٹوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اور وہاں اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینا تو وہ اس چرواہے سے جا ملے پھر اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیتے رہے یہاں تک کہ ان کے بدن درست ہو گئے تو انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے جب حضور نبی اکرم ﷺ تک یہ بات پہنچی تو ان کی تلاش میں آدمی بھیجے گئے۔ جو انہیں لے کر آگئے۔ لہٰذا ان کے ہاتھ پیر کٹوا دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی گئی۔ (بخاری، الصحیح، 5: 2153، رقم: 5362، بیروت، لبنان: أحمد بن حنبل، المسند، 3: 290، رقم: 14118، مصر)

(نوٹ: حضور ﷺ نے اس لیے اس کا حکم دیا کہ اس بیماری کا اس کے علاوہ کوئی علاج نہیں تھا)

(۶) کیا طبیب مریض دیکھنے کی فیس لے سکتا ہے؟ اس حوالے سے یہ روایت ملاحظہ فرمائیں کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک مرتبہ پچھنے لگوانے اور اس کی اجرت ادا کی (مرقاۃ)

[۷] بیماری راحت ہے کہ عذاب؟

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا، دیکھا کہ آپ ﷺ بخار میں مبتلا ہیں۔ میں نے ہاتھ لگایا تو کہا "اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کو تو بہت بخار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے دو آدمیوں کے برابر بخار ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو کیا آپ ﷺ کے لیے دو اجر ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! کوئی مسلمان جب کسی تکلیف میں یا بیماری میں مبتلاء ہو جاتا ہے تو اللہ رب العزت اس کے گناہ ایسے جھاڑ تا ہے کہ جیسے موسم خزاں میں درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔ (فتح الباری)

آئیے! ہم بھی یہ عہد کریں کہ غیروں کا طریقہ علاج چھوڑ کر اپنے پیغمبر ﷺ کے بتائے ہوئے مبارک ارشادات (جو کہ دنیائے طب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں) کو اپنائیں گے، تاکہ علاج کے ساتھ ثواب بھی ملے اور جسمانی آرام کے ساتھ ساتھ روحانی سکون بھی حاصل ہو سکے۔

□□□

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتخب سفراء

علامہ محمد بن علوی المالکی

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل و دانش اور ہوشمندی کا کمال اس وقت عیاں وظاہر ہوتا ہے جب کہ آپ نے اپنے سفیروں اور ایلچیوں کو امرا اور ملوک کی جانب انہیں دعوت حق کے لیے ارسال فرمایا جنہوں نے حضور کا پیغام اور آپ کے احکام کو کما حقہ پہنچا اور انتہائی معقول ومناسب دلائل وحکمتوں سے ان لوگوں کو پیغام حق دیا یہ دلائل مقبول اور معقول تھے۔

حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ:

اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ جب یہ ایلچی یا دشاہوں کے درباروں میں پہنچے اور انہوں نے انتہائی بہترین طریقہ سے پیغام حق پہنچایا اور اس جگہ پر انہوں نے اپنی قوت بیان اور برہان سے غلبہ حاصل کیا۔ یہ ہمیں حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کہ جنہیں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندر بن ساوی کی جانب بھیجا اور ان کے پاس ایک خط تھا جو کہ مندر بن ساوی کو اسلام اور حق کی دعوت دیتا تھا۔ اپنا نچہ جب حضرت علاء بن الحضرمی مندر بن ساوی بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے بھرے دربار میں بادشاہ کو یہ بات ببانگ دہل فرمائی۔

اے منذر! آپ عظیم مقل و دانش اور دنیوی حکمت و دانائی کے لحاظ سے اعلیٰ و برتر ہیں لیکن یا نہ ہو کہ تم آخرت میں انتہائی ذلیل ورسوانہ ہو جانا۔ بلاشبہ یہ جوست انتہائی برا اور قبیح ترین دین ہے جس میں اہل عرب کی عزت وتکریم نہیں ہے اور نہ ہی انہیں اہل کتاب کا علم وآگاہی ہے۔ یہ ایسی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں کہ جن سے نکاح کرنے میں شرم وحیا آتی ہے اور ایسی اشیاء کھاتے ہیں کہ جنہیں کھانا حرام اور ناجائز ہے۔ دنیا اور اس جگہ یہ ایسی آگ کی پوجا کرتے ہیں جو کہ انہیں قیامت کے دن کھا جائے گی اور میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ جس کی کوئی عقل درائے نہ ہو۔

تو آپ غور کریں کہ جو شخص دنیا میں جھوٹ نہ بولے کیا آپ کی تصدیق نہ کریں گے؟ اور جو اس دنیا میں خیانت و بے ایمانی نہیں کرے گا کیا اس کو امین وایماندار نہ پائیں گے اور اور جو شخص اس دنیا میں وعدہ خلافی نہ کرے گا کیا آپ اس پر یقین اور بھروسہ نہ کریں گے؟ اگر معاملہ یوں ہے تو حضور پرنور صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس وہ ذات اقدس واطہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم کوئی ذی عقل شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش ایسا ہوتا، کہ حضور پرنور ﷺ نے جس بات کا حکم اور امر فرمایا ہے اس سے آپ نہی فرماتے، اور جس امر کی نہی فرمائی ہے اس بات کا حکم ارشاد فرماتے یا کوئی بھی ہوشمند اور عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ اے کاش حضور پرنور صلی الہ علیہ والہ وسلم اپنے عفو و درگزر اور معافی فرمانے میں اضافہ فرماتے یا العیاذ باللہ! آپ اپنے غصہ اور عقاب میں کسی طرح کی کوئی کمی فرماتے کیوں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے جو بھی صادر ہوا وہ اہل

عقل اور اہل فکر کی خواہشات اور تمناؤں کے عین موافق اور مطابق تھا ۔۔۔تو منذر نے کہا: کہ دین مجوسیت میں جو کچھ ہے وہ میرے سامنے ہے اور میں نے اسے خوب دیکھا ہے تو میں نے اس کو محض دنیا ہی کے لیے پایا ہے آخرت کے لیے نہیں اور میں نے آپ کے دین میں بھی خوب غور وفکر وتدبیر کی ہے تو میں نے اس کو آخرت کے لیے بہترین پایا اور دنیا کے لیے بھی شاندار ولا جواب۔

لہٰذا اب مجھے ایسے دین متین کے قبول کرنے سے دنیا کی کوئی چیز نہیں روک سکتی کہ جس بہترین اور شاندار دین میں زندگی کی تمنا اور آرزو ہو اور موت کی راحت ۔۔۔۔۔ کل کی بات ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرلیا میں اس سے حیران ومتعجب ہوتا اور جو شخص آج اسلام قبول کرلینے کی سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوتا مجھے اب اس پر تعجب و حیرانگی ہے۔ حالانکہ اسلام انتہائی معقول اور بہت ہی مناسب دین ہے۔

اور حضور نو صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی ذات اقدس کی تعظیم وتکریم اور ادب احترام میں سے یہ امر بھی ہے کہ اس نے حضور کے سفیر او داعی کی تکریم تعظیم کی اور کہا: مین صور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ جہاں میں حاضر ہو کر یہ دیکھوں گا یا بذریعہ خط وکتابت یہ معلوم کروں گا وغیرہ۔

قطع نظر اس امر کے کہ منذر اسلام قبول کرے گا یا کہ نہیں۔ کیوں کہ منذر کے اس قول سے یہ امر ثابت ہوجاتا ہے کہ آج میں اس شخص پر حیران ہوں جو کہ حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوجاتا اور اسلام قبول کرنے کی سعادت سے محروم ہے۔ اس بادشاہ کے اس قول سے یہ امر واضح اور بیاں ہوجاتا ہے کہ اسلام حق اور سچ کا دین متین ہے انتھیٰ۔ شرح مواہب وغیرہ میں اسی طرح مذکور ہے۔

حضرت مہاجر بن امیہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اور یہ جناب مہاجر بن امیہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی تھے آپ کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حمیر کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ حارث بن عبد کلال کی جانب ارسال فرمایا۔ چنانچہ جناب مہاجر جب حمیر کے بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے ڈنکے کی چوٹ یہ حارث بن کلال بادشاہ سے کہا:

اے حارث اتم پہلے شخص ہو جس پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام پیش کی لیکن تم نے غلطی وخطا کرتے ہوئے آپ کے ارشاد گرامی کی قدر نہ کی۔ اور تم تمام بادشاہوں سے بلحاظ قدر و منزلت عظیم ہو۔ دنیری جاہ وجلال تمہیں حاصل ہے اور جب تم بادشاہوں کی حکمرانی اور غلبہ کی جانب دیکھو تو سب سے بڑے اور غالب حکمران کی جانب دیکھو۔ آج اگر تم ہشاش بشاش اور خوش وخرم دکھائی دیتے ہو تو آنے والے وقت اور مستقبل سے ڈرو۔ تم سے پہلے ایسے بادشاہ ہو گزرے ہیں جن کے آثار اور نام ونشان بھی مٹ گئے ہیں اور ان کی صرف کہاوتیں کہانیاں باقی رہ گئی ہیں۔ وہ کافی طویل اور لمبے عرصے تک زندہ رہے اور انہوں نے بہت بعید و دور دور کی امیدیں باندھیں۔

لیکن ان کے پاس زاد راہ اور سامان زندگی معدوم وقلیل تھا۔ ان میں سے بعض تو ایسے بادشاہ تھے کہ جنہیں موت نے پچھاڑ دیا اور بعض ایسے بڑے بادشاہ تھے کہ جنہیں مصائب وآلام نے نگل لیا اور میں تمہیں ایسے پروردگار و پالنہار کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اگر تم ہدایت حاصل کرنا چاہو تو تمہیں کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور اگر اللہ تمہیں ہدایت بخشنا چاہے کہ تو اس کو ہدایت دیتے ہوئے تمہیں رکاوٹ نہیں ہوگی اور میں تمہیں ایسے جلیل القدر وعظیم الشان نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرامی قدر ذات کی جانب ہدایت دیتا ہوں کہ جن کے حکم اور ارشاد سے بڑھ کر کوئی چیز بہتر اور احسن نہیں ہے اور جس چیز سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرمائیں اس سے بڑھ کر کوئی چیز بری اور قبیح نہیں۔

اور تم اچھی طرح یقین کرلو کہ بلاشبہ تمہارا ایک پروردگار ہے جو کہ

زندہ کو مردہ فرماتا اور مردہ کو زندہ فرماتا ہے اور وہ آنکھوں کے اشاروں کی بد دیانتی اور برائی کو بھی جانتا ہے اور ایسے امور ومعاملات سے بھی آگاہ وواقف ہے کہ جنہیں سینے اور دل اپنے اندر مخفی رکھتے اور چھپاتے ہیں ۔(انتہی) روض الانف میں یونہی مذکور ہے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ:

اور سیدنا حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

جھے حضور پر نور صلی الہ علیہ وآلہ وسلم کی عالی قدر اور عظیم ذات اقدس نے اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا ۔میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کا گرامی نامہ لے کر اس کے پاس آیا۔اس نے انتہائی تنظیم وتکریم سے مجھے اپنے گھر ٹھرایا اور میں اس کے پاس چند راتوں تک قیام پذیر رہا۔پھر اس نے مجھے بلا بھیجا اور میں جب اس کے دربار میں پہنچا تو اس کے دربار میں جرنیل اور مذہبی پیشوا مجتمع تھے تو اس نے مجھے یہ کہا کہ میں آپ کے ساتھ ایسی گفت گو اور کلام کرنا چاہتا ہوں کہ جس کے بارے میں میری خواہش یہ ہے کہ اس کلام وگفت گو کو آپ مجھ سے سنیں ۔سیدنا حضرت حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ آپ گفت گو کریں میں سنتا ہوں،

تو بادشاہ نے کہا: آپ مجھے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے یں بتائیں کیا سرورعالمیان صلی الہ علیہ وآلہ وسلم نبی نہیں ہیں ۔میں نے جواب دیا کیوں نہیں اور سرور عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ورسول ہیں ۔تو بادشاہ مذکور نے کا اگر واقعی حضور پر تو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یونہی ہیں جیسے کہ آپ بتاتے ہیں تو حضور سرورعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو بد دعا کیوں نہیں دی کہ آپ کی قوم نے آپ کو اپنے شہر سے دوسرے شہر کی جانب نکال دیا۔

تو میں نے اس کو کہا: کیا آپ جناب حضرت عیسی ابن مریم علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول و نبی ہیں تو بادشاہ نے کہا:

کیوں نہیں؟ آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں نے بادشاہ سے کہا کہ ایسا کیوں نہیں کہ سیدنا حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کو آپ کی قوم نے پکڑ کر سولی دینا چاہی تو جناب حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام نے ان لوگوں کو بد دعا کیوں نہیں دی کہ اللہ تبارک وتعالٰی ان کو ہلاک کر دیتا حتی کہ اللہ نے حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کو آسمان دنیا کی جانب اٹھالیا تو اس بادشاہ نے کہا آپ نے بہت ہی اچھا اور بہترین جواب دیا۔

بلا شبہ آپ علیم اور دانا ہیں اور حکیم دانا آدمی کی جانب سے آئے ہیں ۔یہ میرے، تحالف ہیں جو کہ میں حضور رسول اللہ صلی الہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں آپ کے ذریعے بھیجتا ہوں کہ آپ ان تحائف اور ہدیوں کو حضور صل للہ علیہ وآلہ وسلمکی بارگاہ تک پہنچا دیں ۔اور میں آپ کے ہمراہ ایسے افراد اور اشخاص بھیجتا ہوں جو کہ آپ کو آپ کے گھر پہنچا دیں گے۔

سیدنا حضرت حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں تین عدد لونڈیاں، ارسال کیں ۔ان میں سے ایک تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صاجنرادے حضرت ابراہیم کی والدہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسری لونڈی حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہم بن حذیفہ الحدی کو ہبہ فرمادی تھی ۔اور دوسری لونڈی حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت حسان بن ثابت الانصاری کو ہبہ فرمائی تھی اور انتہائی نفیس ترین نقش ونگار والے کپڑے بھی ہمراہ بھیجے تھے۔

□□□

عہد نبوی کا تمدن: ایک جائزہ

مولانا محمد فاروق اعظم شمسی
صدر المدرسین وشیخ الحدیث دار العلوم شیخ احمد کھٹو، سرخیز، احمد آباد۔ گجرات

عہدِ نبوی کا تمدن انسانی تاریخ کا وہ روشن باب ہے جس میں اسلام نے ایک منفرد اور بے مثال تہذیب کی بنیاد رکھی۔ یہ تہذیب اپنے اصول، روحانی بنیادوں اور عملی نظام کے اعتبار سے دنیا کی ہر دوسری تہذیب سے ممتاز نظر آتی ہے، کیونکہ اسلام محض مذہب نہیں بلکہ ایک کامل ضابطۂ حیات ہے۔ اس دور میں انسانی زندگی کے ہر پہلو خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی سب کی واضح رہنمائی فراہم کی گئی۔

اسلام کے نزدیک زندگی بے مقصد نہیں، بلکہ ایک بلند اور واضح نصب العین کی حامل ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرد اور معاشرے کے باہمی تعلقات، ذمہ داریوں اور حدود کو نہایت حکمت اور جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا۔ اخلاق، کردار، عدل، امانت اور انسانیت کی جو اعلیٰ تعلیمات اس دور میں دی گئیں، وہی دراصل اسلامی تہذیب کا بنیادی تشخص بنیں۔

عہدِ نبوی کا تمدن دراصل اس عملی طرزِ زندگی کا نام ہے جو اللہ کے بتائے ہوئے قوانین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر پوری طرح استوار تھا۔ گھریلو اور خاندانی زندگی سے لے کر معاشرتی، شہری، قومی اور بین الاقوامی معاملات تک ہر سطح پر اسلام نے واضح اصول مقرر کیے اور ان اصولوں پر عمل درآمد نے ایک مثالی معاشرہ تخلیق کیا۔

اس تمدن کی بنیاد اللہ پر کامل ایمان، عقیدۂ توحید، انسان کو خلیفۃ اللہ سمجھنے کا یقین، آخرت پر ایمان، مساواتِ انسانی، عدل و انصاف، خدمتِ خلق، امانت و دیانت اور احساسِ ذمہ داری پر رکھی گئی تھی۔ علمی و فکری لحاظ سے بھی یہ تمدن دنیا کے بہترین نظاموں میں شمار ہوا، اور جب جب اس پر حقیقی طور پر عمل ہوا، انسانی معاشرہ امن، عدل، اخلاق اور روحانیت سے مزین ایک جنت نظیر دنیا بن گیا۔

ذیل میں عہد نبوی کے تمدن کی نمایاں خصوصیات کو بیان کیا جاتا ہے:

(۱) تصورِ توحید:

عہدِ نبوی کے تمدن کا سب سے بنیادی اور مرکزی سنگِ بنیاد تصورِ توحید ہے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لا شریک مانا جائے وہ اپنی ذات، صفات اور افعال میں بے مثل اور یکتا ہے۔ نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ ہمسر۔ وہی کائنات کا خالق و مالک، حی و قیوم، حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہے۔ سارے اختیارات اسی کی ذات سے نکلتے ہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں جبکہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ ازل سے ابد تک اس کی وحدانیت قائم ہے اور وہ ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کو صرف اسی کی عبادت و اطاعت کرنی چاہیے اور اسی کے دیے ہوئے قوانین کی پیروی کرنا لازم ہے۔ شرک کو ہر گمراہی اور اخلاقی بگاڑ کی جڑ قرار دیا گیا ہے، جبکہ توحید انسان کے اندر اعلیٰ اوصاف پروان چڑھاتی ہے جیسے:

☆ وسعتِ نظری
☆ خود داری اور عزتِ نفس
☆ عاجزی اور انکساری
☆ پاکیزگیٔ نفس اور حسنِ کردار
☆ رجائیت اور اطمینانِ قلب

☆صبر وتوکل

☆قوت وشجاعت

☆قناعت اور بے نیازی

☆پرہیزگاری

☆قانونِ الٰہی کی پابندی۔

☆شرفِ انسانیت۔

☆خدمتِ خلق اور غم گساری۔

☆صفاتِ الٰہیہ کا پرتو۔

توحید ہی وہ سرچشمہ ہے جس نے عہدِ نبوی کے معاشرے کی فکری، اخلاقی اور اجتماعی بنیادوں کو استحکام بخشا۔

(۲) اخوتِ ایمانی اور باہمی بھائی چارہ:

عہدِ نبوی کے تمدن کی نمایاں اور بنیادی خصوصیات میں سے ایک اخوتِ ایمانی (Faith-based Brotherhood) ہے۔ اسلام نے جس معاشرتی ڈھانچے کی بنیاد رکھی، اس کی پہلی اینٹ ہی یہ اصول تھا کہ مسلمان ایک دوسرے کے حقیقی بھائی ہیں۔ یہ اخوت نسل، قبیلے، زبان یا رنگ کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایمان کی بنیاد پر قائم کی گئی۔

قرآن کی روشنی میں اخوت کا تصور:

اللہ تعالیٰ نے نہایت واضح الفاظ میں فرمایا: "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ" (الحجرات:۱۰) یقیناً تمام مومن آپس میں بھائی ہیں۔"

اس آیت نے ایک ایسا مستقل اور لازمی اصول مقرر کیا جس نے مختلف قبائل، طبقات، علاقوں اور مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کو ایک وحدت میں تبدیل کر دیا۔ یوں عہدِ نبوی میں ایک نئے معاشرتی انقلاب کی بنیاد پڑی۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں اخوتِ ایمانی:

رسول اللہ ﷺ نے اس قرآنی اصول کو عملی زندگی میں نافذ کر کے دکھایا اور کئی احادیث میں اخوت کی اہمیت اجاگر فرمائی:

"اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ"، "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔

"لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ" تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

یہ حدیث اخوت کے اخلاقی معیار کو انتہائی اونچا کر دیتی ہے۔ اس کے مطابق مسلمان کی محبت، خیرخواہی، ملنساری، ایثار اور شفقت دوسروں تک ویسے ہی پہنچنی چاہیے جیسے وہ خود اپنے لیے چاہتا ہے۔

اخوتِ ایمانی کا اخلاقی تقاضا:

سچی اخوت انسان کے دل کو نرم، پاکیزہ اور دوسروں کے لیے خیرخواہی سے بھر دیتی ہے۔ جو دل ایمان کی روشنی سے منور ہو اس میں نہ کینہ رہتا ہے، نہ حسد، نہ بغض اور نہ دشمنی۔ اخوت انسان کو دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہونا سکھاتی ہے۔ وہ دوسروں کے لیے بھلائی کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ معاشرے میں ہمدردی، عدل، ایثار اور باہمی تعاون کی فضا قائم کرتی ہے۔

ایذارسانی کی ممانعت:

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو تکلیف پہنچانے سے سختی سے منع فرمایا: "وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا" (الأحزاب:۵۸)"

"اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بلاوجہ تکلیف دیتے ہیں وہ بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔"

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ ہراساں کرنا، بدگمانی پھیلانا، الزام تراشی، غیبت، جھوٹ، اور کسی بھی قسم کی ظلم و زیادتی اخوتِ ایمانی کے منافی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے معیارِ اخوت:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" ۔"سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

یہ اصول عہدِ نبوی کے معاشرتی آئین کا سب سے بنیادی اخلاقی قانون تھا۔ اسلامی تمدن کی بنیاد محبت، امان، خیرخواہی اور باہمی اعتماد پر قائم کی گئی، نہ کہ خوف، نفرت یا جبر پر۔

عہدِ نبوی میں اخوت کی عملی مثالیں:

☆ ہجرتِ مدینہ کے وقت مہاجرین وانصار کے درمیان مؤاخات: یہ تاریخ کی ایسی بے مثال نظیر ہے کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے گھروں، تجارتوں اور دولت میں شریک کر لیا۔

☆ قبائلی دشمنیاں ختم ہو گئیں: اوسطاً کئی نسلوں پر محیط دشمنیوں کی جگہ بھائی چارے اور یکجہتی نے لے لی۔

☆ غریبوں، بیماروں اور محتاجوں کے لیے باہمی تعاون کا نظام قائم ہوا۔

اخوت کا تمدنی اثر:

اخوت نے: ایک مضبوط، متحد اور منظم قوم پیدا کی، نفرت، ظلم اور تفاخر کی جڑ کاٹ دیا۔ امن، اعتماد اور شفقت پر مبنی معاشرہ قائم کیا۔ سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی ترقی کی بنیادیں رکھیں۔ یہی اخوتِ ایمانی تھی جس نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک واحد امت بنا دیا۔ ایک ایسی امت جس نے دنیا کی تاریخ بدل دی۔

(۳) مساواتِ انسانی:

عہدِ نبوی کے تمدن کی تیسری بنیادی اور انقلابی خصوصیت مساواتِ انسانی ہے۔ یہ وہ اصول ہے جس نے دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مختلف نسلوں، طبقوں، قوموں اور طبقات کے درمیان قائم تمام امتیازات کا خاتمہ کیا۔ انسانی سماج میں مساوات کا خواب ہر فلسفی، مذہبی رہنما اور مفکر نے دیکھا تھا، لیکن اسے حقیقی، عملی اور پائیدار شکل صرف اسلام نے عطا کی۔

پیغمبر اسلام ﷺ سے پہلے پوری دنیا مشرق ہو یا مغرب، طبقاتی تقسیم، نسلی تفاخر، خاندانی برتری، بادشاہت کی الوہیت، اونچ نیچ، ذات پات اور نابرابری میں جکڑی ہوئی تھی۔ ان کے پیچھے دو بڑے اسباب تھے:

(۱) شرک اور توہم پرستی:

شرک نے انسانوں کے ذہنوں میں غیر حقیقی عقیدے پیدا کیے، ان کے عقیدے تھے کہ: کچھ لوگ خدا کے سر سے پیدا ہوئے، کچھ پاؤں سے کچھ پیدائشی اونچی ذات، کچھ نچلی ذاتی، بادشاہ "آسمانی نسل" ہے، عوام خادم۔ کچھ قومیں "برتر نسل"، کچھ "کمتر نسل" بعض رنگ و نسل کو فطری برتری۔

یہ تمام نظریات صدیوں تک مذہبی رسموں اور سماجی روایتوں کے ذریعے مضبوط کیے گئے اور انسانیت کو طبقوں میں بانٹ دیا گیا۔

(۲) معاشرتی ڈھانچوں کا جبر:

دنیا نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جس طرح دن رات کا آنا جانا اٹل ہے، ویسے ہی انسانیت کی اونچ نیچ بھی ابدی اور ناقابل تبدیلی ہے۔ یہی وہ نظام تھا جس نے انسان کو انسان کی غلامی میں رکھا ہوا تھا۔

اسلام نے مساوات کیسے قائم کی؟

اسلام نے سب سے پہلے شرک کی جڑ کاٹی، کیونکہ جب تک انسان ایک خدا کو نہیں مانتا، انسانوں میں برابری قائم نہیں ہو سکتی۔ توحید نے ہر طرح کی مصنوعی تفریق مٹائی اور انسان کو انسان کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کیا۔ یہی بندگی اصل آزادی اور مساوات کا سرچشمہ بنی۔

دنیا کا پہلا عملی نظامِ مساوات:

دنیا کے کئی مفکرین نے اسے تسلیم کیا ہے کہ مساوات کو عملی شکل سب سے پہلے اسلام نے دی۔ سوامی ویویکانند نے اپنے خط نمبر 175 میں لکھا: "میرا تجربہ ہے کہ اگر کبھی کوئی مذہب عملی مساوات تک قابل لحاظ درجے میں پہنچا ہے تو وہ اسلام ہے اور صرف اسلام ہے۔

This is Islam and Islam alone

یہ اعتراف اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام نے جو سماجی انقلاب پیدا کیا وہ انسانی تاریخ میں پہلی حقیقی مساوات تھی۔

قرآن کا اصولی اعلان:

اللہ تعالیٰ نے انسانی مساوات کا دائمی اصول یوں بیان فرمایا: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" (الحجرات: ۱۳)

اس آیت نے چند بنیادی اصول وضع کیے: (۱) تمام انسان ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا ہوئے، سب کی اصل ایک ہے۔ (۲) نسلیں اور قبائل تعارف کے لیے ہیں، امتیاز کے لیے نہیں۔ (۳) اللہ کے نزدیک برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے؛ نہ نسل، نہ رنگ، نہ زبان، نہ مال۔ یہ وہ اصول تھا جس نے انسانیت کی ساری مصنوعی دیواریں گرا دیں۔

حجۃ الوداع: مساوات کا ابدی اعلان:

عرب کی سرزمین پر صدیوں کی نسلی دشمنیوں، قبیلائی تفاخر اور معاشرتی امتیازات کے خاتمے کا عملی اعلان نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: "اے لوگو! یاد رکھو نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر فضیلت ہے، نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کسی سرخ کو کسی سیاہ پر اور نہ کسی سیاہ کو کسی سرخ پر، ہاں! فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔" (مسند احمد، ۲۰۴۴)

اور ایک روایت میں: "تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔"

اس اعلان نے انسانوں کے درمیان برتری کی ہر بنیاد کو جڑ سے ختم کر دیا۔ یہ وعظ نہیں، انقلاب کی خبر تھی کیونکہ اسی کے ساتھ اس پر عملی نظام بھی قائم کر دیا گیا۔

مساوات کا عملی نفاذ:

(۱) صحابہ کرام کے عملی کردار میں مساوات: نبی ﷺ نے معاشرے میں ایسا عدل قائم کیا کہ: بلال جیسے سابق غلام اذان کے منصب پر فائز ہوئے۔ سلمان فارسی، صہیب رومی اور ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو عزت و مقام ملا۔ قریش کے سردار اور حبش کے غلام صفِ واحد میں کھڑے ہوتے۔ امیر اور فقیر کے درمیان مجلس و عبادت میں کوئی فرق نہ رہا۔

(۲) قانون کی نظر میں سب برابر: نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ وہ امیر کو چھوڑ دیتی تھیں اور فقیر کو سزا دیتی تھیں۔'' اسلام نے اعلان کیا کہ قانون سب کے لیے برابر ہے۔

(۳) حکومت میں مساوات: خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے آغاز میں فرمایا: ''تم میں کمزور میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اس کا حق دلا نہ دوں، اور تم میں طاقتور میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں اس سے دوسروں کا حق لے نہ لوں۔'' یہ کسی تاریخ میں پہلی پالیسی تقریر تھی جس نے مساوات کو حکومتی اصول بنا دیا۔

مساواتِ انسانی کا تمدنی اثر:

اسلامی مساوات نے: طبقاتی تفاوت کا خاتمہ کیا نسل، قوم، رنگ، زبان اور وطن کی بنیاد پر بنے تعصبات کو مٹایا انسانی حقوق قائم کیے غلاموں، عورتوں، یتیموں اور کمزور طبقات کو احترام دیا قانون کی نظر میں سب کو برابر درجے پر کھڑا کیا انسانیت کو عزت، وقار اور آزادی کا حقیقی شعور دیا یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوی کا تمدن دنیا کی پہلی عدالتِ انسانی، امتِ واحدہ اور برابری کے معاشرے کی شروعات تھا۔

(۴) ہمہ گیر تہذیب:

عہد نبوی کے اسلامی تہذیب و تمدن کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک ہمہ گیر اور جامع تہذیب ہے، حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، قومی ہو یا بین الاقوامی، معاشی ہو یا قانونی، تدبیر منزل ہو یا سیاست مدن، دین اسلام سے خارج نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السلم كافة. (البقرة: ۲۰۸) اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ

اسلام ایک مکمل، جامع اور ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے۔ ایک طرف تو یہ انسان کی روحانی، اخلاقی اصلاح کرتا ہے۔ اس میں ایمان کی حرارت پیدا کرتا ہے، انسان کا رشتہ خدا سے استوار کرتا ہے اور پھر زندگی کے جملہ شعبوں اور پہلوؤں میں اس کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام انسان سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس حیات دنیوی کو اس طرح بسر کرے کہ اس کی آخرت سنور جائے اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو جائے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام انسان کی شخصی و انفرادی زندگی، خانگی زندگی، معاشرتی زندگی، تجارت و کاروبار، سیاست و حکومت، عدالت، جنگ و صلح، جہاد و قتال، قومی و اجتماعی زندگی غیر مسلموں سے معاملات، بین الاقوامی تعلقات غرض ہر شعبۂ زندگی میں مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں طہارت و پاکیزگی سے لے کر بین الاقوامی مسائل تک ہر عنوان و موضوع سے بحث کی جاتی ہے اور اسلامی احکامات کی وضاحت کی جاتی ہے۔ یہ ہمہ گیری کسی اور مذہب و ملت اور تہذیب و تمدن میں نظر نہیں آتی۔ بقول علامہ اقبال:

کافر کی پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

(۶) سادگی:

عہد نبوی ﷺ کے تمدن کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک خصوصیت سادگی ہے۔ سادگی اسلام کی روح ہے۔ اسلام میں ہر شعبہ زندگی میں سادگی کی تلقین کرتا ہے فضول خرچی، اسراف، تعیش، تصنع و بناوٹ اور نمود و نمائش اسلام میں سخت ناپسندیدہ ہیں کھانے کے لیے سونے چاندی کے برتن، مردوں کے لیے ریشمی لباس اور سونے کا استعمال حرام ہے۔ اسی طرح شادی بیاہ کے موقع پر اسراف، ڈھول باجے اور رقص و سرود کی محفلیں بھی حرام ہیں، بلا ضرورت بڑی بڑی عمارتوں کی تعمیر روح اسلام کے منافی ہیں اس کے برعکس دین اسلام بود و باش، خوراک و غذا اور لباس و رہائش میں سادگی کا علمبردار ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کبھی پر تکلف امیرانہ اور

عیش و آرام کی خواہش نہیں کی بلکہ اپنے لیے سادہ زندگی بسر کرنا پسند فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال و دولت کی کثرت اور اس کی ہوس کو امت کے زوال کا سبب شمار کیا ہے۔ درحقیقت تعیش اور بلند معیار زندگی کی طلب ناجائز ذرائع دولت کا سبب بنتی ہے اور پھر معاشرے میں رشوت، بدعنوانی کرپشن، چور بازاری اور دوسروں کا حق مارنے کی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ لہٰذا جدید معاشرتی برائیوں کے سدباب کے لیے سادگی کا نسخہ اکسیر ہے۔

(۷) عدل و احسان:

اسلامی تہذیب و تمدن میں باہمی معاملات کی بنیاد عدل و احسان پر ہے۔ عدل کا لغوی معنی ہے برابر برابر تقسیم کرنا۔ اس کا ہم معنی دوسرا لفظ انصاف ہے۔ جس کا معنی ہے نصف نصف بانٹنا اور صحیح تقسیم کرنا۔ اسلامی اخلاق میں عدل و احسان کا معنی ہے، ہر شخص کے ساتھ بلا رورعایت وہ معاملہ کرنا جس کا وہ اصل حقدار ہے۔

احسان ''حسن'' سے نکلا ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے ''خوبصورت کرنا اور حسین بنانا''۔ اسلامی اخلاق میں احسان کا معنی ہے:: دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جو اس کے لیے فائدہ مند ہو بشرطیکہ وہ سلوک عقل و شرع کے نزدیک صحیح ہو۔ یوں احسان کا مقام بہت بلند ہے اور عفو و درگذر، رواداری، نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردی اور باہمی رعایت وایثار و قربانی وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔

(۸) عہدِ نبوی کے تمدن میں امن و امان:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت دراصل پوری انسانیت کے لیے امن، سلامتی، رحمت اور سکون کے ایک نئے دور کی ابتدا تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف پیغمبرِ ہدایت تھے بلکہ بلاشبہ پیغمبرِ امن بن کر دنیا میں مبعوث ہوئے۔ عہدِ رسالت کے معاشرتی، اخلاقی، سیاسی اور تہذیبی پہلوؤں کا مطالعہ اس حقیقت کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیتا ہے کہ آپ کی انقلابی جدوجہد نے محض جزیرہ نمائے عرب ہی کو امن کی نعمت نہیں دی بلکہ پوری نسل انسانی کے لیے امن و اطمینان کا مستقل نظام قائم کر دیا۔

(۱) ظلم سے عدل تک۔۔۔ نبوی انقلاب کا امن بخش پہلو:

بعثت سے پہلے عرب دنیا نسلی عصبیت، قبائلی جنگ و جدل، قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ، ظلم و استبداد، عورتوں کی توہین، کمزوروں کے استحصال کا میدان تھی۔ مگر جب قرآن کا نور پھیلا اور صاحبِ قرآن ﷺ نے اصلاحِ معاشرہ کی بنیاد رکھی تو وہی معاشرہ جو کبھی فساد اور خونریزی کا گہوارہ تھا، امن، رحمت، عدل اور خیر خواہی کا مرکز بن گیا۔ یہ وہ انقلاب تھا جس نے:

☆ قاتل انسان کو دوسرے کی جان کا محافظ بنا دیا۔
☆ آزادی چھیننے والا آزادی کا علمبردار بن گیا
☆ عزتیں پامال کرنے والا عفت و عصمت کا نگہبان بن گیا۔

یوں عہدِ نبوی میں امن محض ایک سیاسی ہدف نہ تھا بلکہ اخلاقی، روحانی، قلبی اور تہذیبی زندگی کا بنیادی ستون بن گیا۔

(۲) اسلامی تہذیب میں اقلیتوں کے حقوق اور امن:

اسلام نے اقلیتوں کے لیے وہ سلامتی اور آزادی فراہم کی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ باوجود اس کے کہ اسلام تیزی سے پھیلنے والا غالب تہذیب تھا، اس نے کبھی اقلیتوں پر جبر نہیں کیا۔ امریکی مؤرخ فیلیپ جے ایڈلر اور رینڈل پاؤولز لکھتے ہیں:

Contrary to widespread Christian notions,Islam normally did not force conversion

''عیسائی دنیا میں پھیلے ہوئے تصورات کے برعکس اسلام نے کبھی لوگوں کو جبراً مسلمان نہیں بنایا۔''

یہ گواہی اس حقیقت کا اظہار ہے کہ عہدِ نبوی سے لے کر بعد کے ادوار تک اسلامی امن و انصاف کا نظام تحمل، رواداری اور مذہبی آزادی کا بہترین نمونہ تھا۔

(۳) عہدِ نبوی کا امن، صدیوں کا مینارِ نور:

عہدِ نبوی کا یہ امن عدل پر قائم، فطرت کے مطابق، انسانی حقوق کا احترام کرنے والا، ہر انسان کے لیے مساوی، ہر طبقے کے لیے شفقت اور سلامتی رکھنے والا، اور ہر ظلم اور زیادتی کا خاتمہ کرنے والا امن تھا۔ اسی امن کی خیرات لینے کے لیے دنیا بھر کی اقوام اسلام کے دروازے پر آئیں۔ اسی امن نے ظلمتوں کو دور کیا، تہذیبوں کو زندہ کیا، اور انسانیت کو ایک نئی روشنی عطا کی۔

□□□

حضرت مخدوم جہاں کی فقہی بصیرت

''ملفوظ الصفر'' کی روشنی میں

مولانا طفیل احمد مصباحی: سابق مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

سلطان المحققین مخدومِ جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ (متوفی: ۷۸۲ھ) کے مقامِ علم و روحانیت کا کیا پوچھنا ! آپ کی ولایت و روحانیت اور علمی جلالت پر اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ آپ کی ذاتِ گرامی علوم و فنون کا کوہِ ہمالہ اور طریقت و معرفت کا ایک معتبر حوالہ ہے۔ اکابر علما و مشائخ نے آپ کے مکتوبات و ملفوظات اور کتب و رسائل کو اعتماد کی نظروں سے دیکھا ہے اور ان کو حرزِ جاں بنایا ہے۔ آپ جامع العلوم، منبع الکمالات اور جامع الحیثیات تھے۔ آپ کی کتابوں کے مطالعے سے آپ کی علمی جلالت اور سلوک و تصوف میں آپ کی عبقریت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ جہاں اپنے وقت کے ممتاز صوفی اور یگانۂ روزگار شیخ و مرشد تھے، وہیں اپنے زمانے کے مسلم الثبوت عالمِ دین، صاحبِ فکر و بصیرت، متکلم و فلسفی، فقید المثال محدث، سلطان المحققین اور فقہ و شریعت پر گہری نظر رکھنے والے فقیہ و مفتی تھے۔ آپ کے محدثانہ مقام، متکلمانہ حیثیت اور فقہی بصیرت پر پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ حضرت سید جلال الدین بخاری قدس سرہ (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) سے لوگوں نے پوچھا کہ اس آخری عمر میں آپ کی مشغولیت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے ''مکتوبات'' کے مطالعہ میں مشغول ہوں۔ پھر لوگوں نے پوچھا: شیخ شرف شرف الدین کے مکتوبات کیسے ہیں؟ فرمایا کہ بعض مقامات ابھی بھی سمجھ میں نہیں آئے ہیں۔

(مناقب الاصفیاء، ص: ۲۸۰، مطبوعہ: مکتبۂ شرف بہار شریف)

دعوت و تبلیغ، رشد و ہدایت اور دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے ساتھ آپ نے فارسی زبان و ادب کے فروغ و استحکام میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی کے بعد فارسی نثر نگاری میں اگر ہند و ایران میں کسی بزرگ کا نام لیا جا سکتا ہے تو وہ حضرت مخدومِ جہاں کی ذاتِ گرامی ہے اور یہ وہ فضیلت و خصوصیت ہے جو آپ کو معاصرین اور متاخرین صوفیا سے منفرد و ممتاز کرتی ہے۔

آپ کے انہیں فضائل و کمالات کے پیشِ نظر عربی، فارسی اور اردو کی تقریباً دو سو کتابوں میں آپ کے تذکرے اجمال و تفصیل کے ساتھ پائے جاتے ہیں، جنہیں یکجا کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر سیرت و سوانح کا ایک قیمتی ہار تیار کیا جاسکے۔

صوفیائے کرام اور مشائخِ امت کے ملفوظات و مکتوبات میں حضرت مخدوم جہاں کے مکتوبات و ملفوظات کو مختلف جہتوں سے تفرد و امتیاز حاصل ہے۔ آپ کے کتب و رسائل اور مکاتیب و ملافیظ کی نمایاں ترین خصوصیات میں دلائل و شواہد کی فراوانی، محققانہ قوتِ استدلال، عالمانہ طمطراق، لطفِ زبان، بیان کا حسن، ادب کی چاشنی، ندرتِ اسلوب، شگفتہ اندازِ تحریر، کثرت سے احادیث کا استعمال، حقائق و معارف سے لبریز مواد اور مختلف علوم و فنون کی شمولیت و آمیزش ہے۔ ''مکتوباتِ صدی''/ مکتوباتِ دوصدی، معدن المعانی، شرحِ آداب المریدین، گنجِ لایفنیٰ وغیرہ کا مطالعہ کرنے والا ہمارے دعوے کی ضرور تصدیق کرے گا۔ سچ پوچھئے تو آپ کے مکتوبات و ملفوظات نے علم و حکمت، فکر و دانش، ادب اور تصوف و روحانیت کی دنیا میں انقلابِ عظیم برپا کیا ہے۔ چودھری اقبال سلیم کے اس حقیقت آمیز قول کی تائید ہر انصاف پسند قاری کرے گا کہ :

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی کے ملفوظات معدن المعانی، خوانِ پُرنعمت، راحت القلوب، مخ المعانی، مونس المریدین، گنجِ لایفنیٰ، فوائدِ غیبی، مغز المعانی اور تحفۂ غیبی نے بر صغیر کے مسلمانوں میں اسلامی روح پھونک دی ہے" ۔ (ابتدائیہ جوامع الکلم، ص: 21، مطبوعہ: نفیس اکیڈمی، لاہور)

حضرت مخدوم جہاں کے گراں قدر ملفوظات میں ایک اہم ملفوظ ''ملفوظ الصفر'' بھی ہے۔ جو ضخامت کے لحاظ سے کہتر لیکن قدر و قیمت کے اعتبار سے بہتر و برتر ہے۔ دیگر ملفوظات کی طرح اس گراں قدر مجموعۂ ملفوظات کے جامع و مرتب بھی حضرت مخدوم جہاں کے نامور مرید و خادمِ خاص حضرت زین بدر عربی علیہ الرحمہ ہی ہیں ۔ یہ ملفوظات حضرت مخدوم جہاں کے وصال سے تقریباً بیس سال قبل 23 / صفر المظفر 762 ھ سے 15 / جمادی الآخرہ 762 ھ کے درمیان جمع کیے گئے ہیں۔ یہ ملفوظات کُل 29 / مجالس پر مشتمل ہیں ۔دیگر ملفوظات کی طرح "ملفوظ الصفر" بھی حضرت مخدوم جہاں کی بیش قیمت تعلیمات اور گراں قدر اقوال و ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ راقم الحروف کی محدود نظر جہاں تک پہنچ سکی، اس میں صاحبِ ملفوظ نے کثرت سے شریعت و طریقت کے حقائق و معارف بیان کیے ہیں اور اپنے موقف کی تائید میں جا بجا احادیث سے استدلال کیا ہے۔ علاوہ ازیں فقہ و شریعت کے بہت سارے مسائل بھی آپ نے بیان کیے ہیں ۔ فقہی مباحث کا اچھا خاصا ذخیرہ اس میں موجود ہے ۔ زیرِ نظر مضمون میں "ملفوظ الصفر" میں درج چند فقہی مباحث کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی (مترجم کتاب ہٰذا) اس کے مشمولات و مندرجات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

ملفوظ الصفر کی یہ چونتیس (۳۴) مجالس ایسی پاکیزہ اور پُرتقدس ہیں، جن میں علومِ شرعی کی بھرپور وضاحت بھی ملتی ہے اور طریقت کے روامز (رموز و اسرار) کی عقدہ کشائی بھی۔ ان کے علاوہ حقیقت و معرفت کے انوار و تجلیات سے کوئی صفحہ خالی نہیں۔ اس کتاب میں فقہی مسائل کے تحت جو امور آئے ہیں، ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرض اور سنتِ مؤکدہ کے درمیان تاخیر نہ کی جائے، سنت مؤکدہ پڑھنے کے بعد آیت الکرسی پڑھی جائے، جانوروں کا گوشت حلال ہے کہ حرام، ان شاء اللہ کہنے کی تاکید، بلی کا جوٹھا پاک ہے یا ناپاک، تعزیت کا طریقہ، قرآن کی تعلیم، امامت اور اذان پر اجرت، قضا و قدر، جبر و اختیار، یزید پر لعنت، شافعی مذہب لڑکی سے شادی، تعمیرِ جدید کے لیے پہلی مسجد کی شہادت، کافروں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں میں جانے کی ممانعت، تلقینِ موتی، اہل سنت و جماعت کی تعریف اور حضرت امام شافعی کی عظمت جیسے نکات پر تشفی بخش گفتگو ملتی ہے تو طریقت و حقیقت کے زیرِ عنوان ..... اہم ترین موضوعات کی صراحت بھی موجود ہے۔ اس کتاب میں شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت کا امنڈتا ہوا بحرِ بیکراں تو ہے ہی، ساتھ ہی یہ کتاب ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ ہمارے مخدوم نہ صرف اس بحرِ بیکراں کے شناور ہیں، بلکہ ملکی، سیاسی، سماجی و معاشرتی حالات کے نباض بھی ہی ہیں اور امت مسلمہ کی فلاح و بہبودی کے لیے فکرمند بھی۔

(پیش لفظ ملفوظ الصفر، ص:43)

حضرت مخدوم جہاں نے زیرِ نظر تصنیف ''ملفوظ الصفر'' میں جن فقہی مباحث پر روشنی ڈالی ہے اور اپنی فقہی بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے جو شرعی احکام و مسائل بیان کیے ہیں، ان میں سے چند یہاں بیان کیے جاتے ہیں اور فقہائے کرام کے اقوال و ارشادات سے ان کی تائید و توثیق پیش کی جاتی ہے۔

(1) فرض اور سنت کے درمیان فصل اور تاخیر کا حکم:

حدیث شریف میں فرض نمازوں کے بعد مختلف ادعیہ (دعائیں) اور اذکار پڑھنے کا حکم ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد سنت سے پہلے یہ ادعیہ اور اذکار پڑھے جائیں یا سنت کے بعد ۔ اس سلسلے میں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، اُن میں طویل وظائف اور دعاؤں کا وقفہ (فصل و تاخیر) نہ کرنا افضل ہے، اِس لیے اَفضل یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد مختصر دعا و تسبیح کر کے سنتیں ادا کی جائیں اور بقیہ اَذکار و وظائف سنتوں کے بعد پڑھے جائیں ۔ چنانچہ درالمختار میں ہے کہ" فرض نماز کے بعد سنت میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ ہاں! اللھم انت و منک السلام .....کی مقدار میں تاخیر جائز ہے" ۔ اس کے تحت علامہ شامی فرماتے ہیں:

مخدومِ جہاں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ فقہ

کے اسی مسئلے کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :

بعض فرض نمازیں وہ ہیں جن کے بعد سنت بھی پڑھنی ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے بعد سنت نہیں ہیں۔ وہ فرض نمازیں جن کے بعد سنت بھی ہیں، اس فرض اور سنت کے درمیان کسی چیز کی وجہ سے فصل یعنی تاخیر نہیں کی جائے، بلکہ فرض پڑھنے کے بعد فوراً اٹھ جائیں اور سنت کی ادئیگی کریں۔ اس کے بعد آیۃ الکرسی یا اور چیزیں جو فرض کے بعد پڑھنے کی ہیں، ان کو پڑھیں۔ ہاں! وہ گنتی کے چند کلمے (تسبیح) جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں اور جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض نمازوں کے بعد پڑھا کرتے تھے، ان کو پڑھیں۔ قیاس تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جب فرض اور سنت کے درمیان فصل یعنی تاخیر نہیں ہونی چاہیے، تو پھر اتنی مقدار میں بھی فصل (تاخیر) نہیں ہو اور وہ چند کلمات پڑھنے سے تاخیر لازم آتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب نقل (حدیث) سے یہ بات ثابت ہے تو صرف اتنی ہی مقدار میں تاخیر کی جائے، اس سے زیادہ کی نہیں۔

(ملفوظ الصفر :ص:32 ناشر: شرف الاشاعت، بہار شریف نالندہ)

(۲) مور (پرندہ) کھانا جائز ہے :

''ملفوظ الصفر'' کے جامع شیخ زین بدر عربی نے عرض کیا کہ مور (پرندہ) کا کھانا کیسا ہے؟ اس پر آپ نے جانور کے کھانے کی وجہِ حرمت و حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مور کا کھانا جائز ہے۔ جواب کے الفاظ یہ ہیں: مور کھانے میں کیا (حرج) ہے۔ نہ وہ پنجہ والا جانور ہے، نہ درندہ ہے، نہ خشکی و تری کا کیڑا ہے اور نہ شرع شریف میں اس کی کوئی فضیحت آئی ہے، پھر اس کو نہیں کھانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

(ملفوظ الصفر :ص:47)

مسلم شریف کی حدیث ہے: **نهى النبي عليه الصلاة و السلام عن كل ذي ناب من السباع و كل ذي مخلب من الطير۔** یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر دانت والے درندے اور ہر پنجے (سے شکار کرنے) والے پرندے کا (گوشت) کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (رواہ مسلم: رقم الحدیث: 3574)

اس لیے فقہائے کرام نے پنجے سے شکار کرنے والے اور دوسرے پرندوں پر حملہ آور ہونے والے پرندوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے: شیر، چیتا، باز وغیرہ۔ ان کے علاوہ جو پرندے ہیں مثلاً: مرغی، فاختہ، کبوتر وغیرہ بالاتفاق حلال ہیں اور مور بھی انہیں پرندوں میں شامل ہیں۔ کیوں کہ یہ بھی پنجوں سے شکار نہیں کرتے، لہٰذا مور کا کھانا بلاشبہ جائز اور حلال ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے :**ولا بأس بأكل الطاؤس و عن الشعبي يكره اشد الكراهة، بالاول يفتىٰ كذا في الفتاوى الحمادية.**

یعنی مور کھانے میں کوئی قباحت اور حرج نہیں اور شعبی سے نقل کیا گیا ہے کہ سخت مکروہ ہے لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ مور کا کھانا جائز ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ حمادیہ میں ہے۔

(الفتاوى الهندى، الجزء الخامس، ص: 358 الباب الثانى فى بيان مايؤكل من الحيوان و مالا يؤكل مطبوعہ: دار الكتب العلميہ، بيروت)

(۳) بین اور نوحہ کرنا حرام ہے :

جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو میت کے عام وارثین پر تین دن اور بیوی پر چار ماہ دس دن سوگ ہے۔ اس کے بعد سوگ جائز نہیں۔ لہٰذا تین دن کے بعد جہاں سوگ منع ہے، وہیں تجدیدِ حزن بھی جائز نہیں۔ یعنی فوت شدہ یا شہید ہو جانے والے کو اس انداز میں یاد کرنا کہ حزن و غم تازہ ہو یہ جائز نہیں ہے۔ جس موقع پر سوگ کی اجازت ہے یعنی میت کے انتقال پر عام وارثین کے لیے تین دن اور بیوی کے لیے چار ماہ، دس دن، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ نوحہ اور بین نہ کیا جائے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرَّحمہ نوحہ سے متعلق فرماتے ہیں:

نوحہ یعنی میت کے اوصاف مبالغہ کے ساتھ بیان کر کے آواز سے رونا جس کو ''بین'' کہتے ہیں بالاجماع حرام ہے۔ یوں ہی واویلا یا وا مصیبتا کہہ کر چلانا (ناجائز و حرام ہے) (بہار شریعت، حصہ چہارم، ص:854)

نوحہ اور بین کی حرمت کے متعلق بستانِ ابواللیث کے حوالے سے حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں:

النوح حرام و لا بأس بالبكاء و الصبر أفضل۔ بین (نوحہ) کرنا حرام ہے، رونے میں (جب کہ بلند آواز سے نہ ہو) حرج نہیں اور صبر سب سے افضل ہے۔ (ملفوظ الصفر :ص:36)

(۴) مینڈھا کھانا جائز ہے:

مینڈھا، بھینس کی جنس سے ہے اور اس کا کھانا حلال ہے۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

مینڈھے کی قربانی کی ۔ عن أنس بن مالكٍ رضي الله عنه قال : ضَحَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ وَسَمَّى وَ كَبَّرَ وَ وَضَعَ رِجْلَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دو چتکبرے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی اپنے ہاتھ سے کی (ذبح کرتے ہوئے) آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھی، تکبیر کہی اور اپنا پاؤں ان کے پہلوؤں پر رکھا۔

حضرت مخدوم جہاں قدس سرہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا مینڈھا کھانے کی اجازت ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

ہاں! مینڈھا کھانا مباح (جائز) ہے۔ اس کے بارے میں جو عبارت آئی ہے، وہ یہ ہے: لانه نوع من الجاموس (یعنی مینڈھا ایک قسم کی بھینس ہے) اس کے بعد شیر، درندے، خشکی و پانی کے کیڑے وغیرہ کے حرام کیے جانے کی حکمت بتاتے ہوئے فرمایا کہ کھانے کی جتنی چیزیں ہیں، ان کے اندر ایک خاص تاثیر رکھی گئی ہے۔ آدمی جب ان چیزوں کو کھاتا ہے تو اس چیز کی جو خاصیت و ماہیت ہے، وہ اس آدمی میں پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جو چیزیں حرام کی گئی ہیں، ان میں بھی یہی حکمت و مصلحت ہے۔ (ملفوظ الصفر: ص: 47)

(۵) اللہ عزوجل کو طبیب کہنے کا حکم:

''طبیب'' جسے عرفِ عام میں مرض اور بیماری کے علاج کرنے والے کو کہتے ہیں، اس کا اطلاق اللہ عزوجل کے حق میں جائز و درست ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ حدیثِ پاک کی رو سے اللہ رب العزت کے لیے طبیب بولا جانا ثابت ہے۔ اس لیے بعض اکابر فقہا نے اس لفظ کے اطلاق کو اللہ رب العالمین کے حق میں کچھ شرط و قید کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں قدس سرہ بھی جواز کے قائل ہیں۔ مسند احمد بن حنبل و سنن أبی داؤد کی حدیث ہے:

عن أبي رَمْثة رضي الله عنه أنَّه قال للنبي صلى الله عليه وسلم: أَرِني هذا الذي بظهرك، فإنّي رجلٌ طبيب، قال: الله الطبيبُ، بل أنت رجلٌ رَفِيقٌ، طبيبُها الذي خلقَها.

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ مجھے اپنی پشت پر جو یہ (مُہر نبوت) ہے دکھائیں، کیوں کہ میں طبیب آدمی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: طبیب صرف اللہ عزوجل ہے اور تم تو بس نرمی و مہربانی کرنے والے شخص ہو۔ اس کا طبیب تو وہ ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔

(سنن أبی داود، رقم الحدیث: 4207 بیروت)

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے سینے پر ہاتھ رکھ ایک دعا پڑھی، جس میں اللہ تعالیٰ کو طبیب کہا گیا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا:

عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ، قَالَتْ عَائِشَةُ : مَرِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَوَضَعْتُ يَدِي عَلَى صَدْرِهِ فَقُلْتُ : أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ ، أَنْتَ الطَّبِيبُ وَ أَنْتَ الشَّافِي ..... . (مسند امام أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: 42774 دار الفکر، بیروت)

یعنی علاج و معالجہ اور حقیقی شفا دینے کی رو سے اللہ تعالیٰ کو طبیب کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً: أنت المداوی، انت الطبیب ۔ لیکن اللہ عزوجل کے نام کے طور پر دعا وغیرہ کے موقع پر اللہ عزوجل کو ''یا حکیم'' کی طرح ''یا طبیب'' نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ اسمائے باری تعالیٰ توقیفی ہیں۔

مذکورہ بالا توضیحات کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مخدومِ جہاں کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر گفتگو کرنے سے پہلے طبیب کا معنی جاننا ہوگا۔ ''طبیب'' کا معنی دوا اور مرض کا جاننے والا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا جائز ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ جب وہ بیمار ہوئے اور لوگوں نے عرض کیا: اگر حکم ہو تو طبیب کو حاضر کروں۔ (اس پر آپ نے) فرمایا: الطبیب مرضنی ۔ جس نے مجھ کو بیمار ڈالا ہے، وہی مرض اور دوا کا عالم ہے، اس لیے طبیب کو بلانے کی کیا ضرورت۔ اس کے بعد (حضرت مخدوم جہاں نے) فرمایا: امام غزالی سے منقول ہے کہ ایسا لفظ جس سے دانشوروں کی نظر میں غلطی اور نقصان کا شائبہ ظاہر نہ ہو اور شرع کی رو سے اس کی ممانعت بھی نہ ہو، ویسا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولنا جائز ہے اور ایسا لفظ جس میں نقص پایا جائے اور شریعت کی رو سے اجازت بھی نہ ہو، ویسا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً: عارف۔ (ملفوظ الصفر: ص: 59)

(۶) عبادات مثلاً تعلیم قرآن و اذان و امامت پر اجرت کا شرعی حکم:

اصل حکم یہ ہے کہ طاعات وعبادات پر اجارہ یعنی اجرت جائز نہیں، لیکن شرعی ضرورت کے تحت اب عبادات پر اجرت جائز ہے اور متاخرین نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اصل حکم یہ ہے کہ وعظ پر اجرت لینی حرام ہے۔ درّ مختار میں اسے یہود و نصاریٰ کی ضلالتوں میں سے گنا، مگر "**کم من احکام یختلف باختلاف الزّمان کما فی العالم کیریة**" (یعنی بہت سے احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے) کلیہ غیر مخصوصہ کہ طاعات پر اُجرت لینا ناجائز ہے۔ ائمہ نے حالاتِ زمانہ دیکھ کر اس میں سے چند چیزیں بضرورت مستثنیٰ کیں۔ مثلاً: امامت، اذان، تعلیمِ قرآنِ مجید، تعلیمِ فقہ کہ اب مسلمانوں میں یہ اعمال بلانکیر معاوضہ کے ساتھ جاری ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد:19 ص:435)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

بحر الرائق پر خیر الدین رملی کے حاشیہ میں کتاب الوقف کی بحث میں ہے کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینا مفتیٰ بہ قول پر جائز ہے الخ۔ ایسی عبارت کثیر کتب میں موجود ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، 19/ 421)

حضرت مخدومِ جہاں قدس سرہ بھی متاخرین احناف کے موقف کی تائید کرتے ہوئے عبادات وطاعات پر اجرت کو جائز قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

عبادات پر اجرت لینا درست نہیں ہے، جیسے قرآن مجید کی تعلیم ہو، امامت ہو یا اذان ہو۔ لیکن متاخرین نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں کی رغبت اس طرف کم ہورہی ہے اور کوئی بھی اجرت کے بغیر ان کاموں کو کرنا نہیں چاہتا ہے تو ضرورتاً اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔

(ملفوظ الصفر :ص:56)

(7) غیر مسلم (حربی وذمّی) کو ہدیہ وتحفہ دینا جائز ہے:

غیر مسلم خواہ وہ حربی ہو یا ذمی یا مستامن، اس کے ساتھ دنیوی معاملات مثلاً: اس کے ساتھ خرید وفروخت کرنا، اس کے یہاں نوکری کرنا یا اس کو اپنے یہاں نوکر رکھنا وغیرہ جائز ہے بشرطیکہ اس عمل سے دین اسلام یا مسلمانوں کو کوئی ضرر اور نقصان نہ پہنچے۔ اسی طرح شرعی مصلحت کے پیشِ نظر غیر مسلموں کو ہدیہ وتحفہ (گفٹ) دینا جائز ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس سے غیر مسلموں کی کسی رسمِ کفر کا اعزاز نہ ہوتا ہو۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ فتاویٰ رضویہ شریف میں فرماتے ہیں:

دنیوی معاملت میں جس سے دین پر ضرر نہ ہو، سوا مرتدین کے کسی سے ممنوع نہیں، ذمی تو معاملت میں مثل مسلم ہے اور غیر ذمی سے بھی خرید وفروخت، اجارہ واستیجارہ، ہبہ واستیہاب بشروطہا جائز اور خریدنا مطلقاً ہر مال کا کہ مسلمانوں کے حق میں متقوم ہو اور بیچنا ہر جائز چیز کا جس سے اعانتِ حرب یا اہانتِ اسلام نہ ہو۔ اسے نوکر رکھنا جس میں کوئی کام خلاف شرع نہ ہو، اس کی جائز نوکری کرنا، جس میں مسلم پر اس کا استعلا نہ ہو، ایسے ہی امور میں اجرت پر اس سے کام لینا یا اس کا کام کرنا، بمصلحت شرعی اسے ہدیہ دینا جس میں کسی رسمِ کفر کا اعزاز نہ ہو، اس کا ہدیہ قبول کرنا جس سے دین پر اعتراض نہ ہو۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد: 14، ص: 421 / 442، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ہاں! ہندوستان کے غیر مسلم جو کہ حربی ہیں، ان کو نذر، کفارہ، صدقۂ فطر اور قربانی کا گوشت نہیں دے سکتے۔ البدائع الصنائع میں ہے:

لایجوز صرف الکفارة و النذر و صدقة الفطر و الاضحیة الی الحرب یعنی کفارہ، نذر، صدقۂ فطر اور قربانی کا گوشت حربی کافر کو دینا جائز نہیں ہے۔

(بدائع الصنائع، جلد: 7 ص: 341، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت مخدوم جہاں قدس سرہ فرماتے ہیں:

لا باس للمسلم اذا کانت له قرابة من اهل الذمة ان یهدی الیها مسلمان اگر اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کو تحفہ اور ہدیہ دیتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خالہ کے لیے جو مکہ میں تھیں اور کافرہ تھیں، تحفے میں ایک کنیز کو بھیجا تھا۔

(ملفوظ الصفر ،ص:63)

□□□♥

تفضیلیوں کو سنی قرار دینے کے نتائج

مولانا فیضان سرور مصباحی
دارالقضاء ادارۂ شرعیہ اورنگ آباد (بہار)

۱۵/ رجب المرجب 1447ھ، بمطابق 5/جنوری 2026ء، بروزِ پیر، عرسِ محدثِ اعظم ہند کے موقع پر کچھوچھہ مقدسہ میں خطیب خصوصی مولانا سید سیف الدین اصدق چشتی صاحب (چشتی چمن، بہار شریف) نے خطاب کے دوران چند ایسے جملے ارشاد فرمائے، جن کے بعد علمی حلقوں میں غیر معمولی اضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔

دورانِ گفتگو مولانا موصوف کا یہ جملہ: "کوئی افضلیتِ مولا علی کی بات کرے تو رافضی نہیں ہے۔" اصل خلفشار کا باعث ثابت ہوا ہے، اور علمی حلقوں کی طرف سے بار بار اس کی مذمت کی جارہی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ "یہ اعتدال ہے...اپنے دل کو ہمیں بڑا رکھنا چاہیے ۔...ارے ہمارا دل تو اتنا بڑا ہے کہ....ہم افضلیتِ مولا علی بیان کرنے کو رافضیت نہیں سمجھتے۔" (ملخصاً)

گویا اس میں یہ تقاضا کیا گیا کہ آپ سب بھی اپنا دل بڑا کریں اور تفضیلی فرقہ والوں کو بھی سنی مانیں، رافضی ہونے کا طعنہ نہ دیں۔ بلکہ انھیں اپنے دل میں جگہ دیں۔

اگر کشادگی کے خوش نما عنوان کے تحت ایسی روش اختیار کی جائے جس کے نتیجے میں اہلِ سنت والجماعت کے متفقہ، متوارث اور منصوص اصول مجروح ہونے لگیں، تو ایسی روش نہ ماضی میں کبھی قبول کی گئی ہے، اور نہ مستقبل میں اس کی کوئی گنجائش ہے۔ یہی سلف صالحین کا واضح منہج ہے، اور یہی حقیقی اعتدال کی پہچان ہے۔

تاریخِ امت اس پر شاہد ہے کہ جو فرقے، نظریاتی گروہ اور فکری ٹولیاں حدود سے تجاوز کی راہ پر گامزن ہوئیں، انہیں نہ کبھی اہلِ سنت کے دائرے میں سمویا گیا، اور نہ ان کے لیے وسعت و کشادگی کے دروازے کھولے گئے۔ بلکہ حسنِ تفہیم کی ہر ممکنہ کوشش کے بعد، جب اصلاح کی کوئی امید باقی نہ رہی، تو اہلِ سنت نے صاف اور دوٹوک انداز میں ان سے فکری براءت اختیار کی، تاکہ عوام ان کی ملمع سازی، فکری فریب اور دسیسہ کاریوں کے شکار نہ ہوں۔ خوارج، نواصب اور معتزلہ سے لے کر قادیانیت، وہابیت اور دیوبندیت تک کی پوری تاریخ اسی اصولی طرزِ عمل کی زندہ شہادت ہے۔

مولانا موصوف کی گفتگو کا وہ حصہ جس میں یہ کہا گیا کہ:
"کوئی افضلیتِ مولا علی کی بات کرے تو وہ رافضی نہیں ہے۔"
یہ جملہ بظاہر نرم، مصالحانہ اور کشادہ دلی کا مظہر معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں نہایت خطرناک فکری نتائج اپنے اندر سمیٹے

ہوئے ہے۔اس کی سنگینی اس وقت پوری طرح سامنے آتی ہے، جب اسے اہلِ سنت و جماعت کے مسلمہ اصول، تاریخی تعامل اور کتب عقائد کی روشنی میں پرکھا جائے۔

یہ موقف احادیث و آثار، اور سلف و صالحین کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ، خود باب العلم شیر خدا حضرت مولا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشاد کے خلاف ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

عَنِ الحكَمِ بْنِ جَحْلٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ: بَلَغَنِي أَنَّ أُنَاسًا يُفَضِّلُونِي عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، لَا يُفَضِّلُنِي أَحَدٌ عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ إِلَّا جَلَدْتُهُ حَدَّ المُفْتَرِي.

حضرت حَکَم بن جَحل کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مجھے خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں۔

خبردار! جو شخص مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دے گا، میں اس پر بہتان لگانے والے کی حد جاری کروں گا۔

[فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل (م ٢٤١ هـ) ١/٢٩٤، الناشر: مؤسسة الرسالة بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٣-١٩٨٣]

وضاحت: حضرت علی کا یہ فرمان اس بات کی سخت ترین تردید کرتا ہے کہ کہ کوئی انہیں شیخین پر افضل قرار دے؛ کیونکہ انہوں نے اسے اتنا سنگین درجے کا جرم قرار دیا کہ اس پر حدِّ قذف کے نفاذ کی وعید سنائی کہ میں ایسے شخص کو اسی کوڑے ماروں گا، اس کی گواہی ہمیشہ کے لیے مردود قرار دی جائے گی، اور وہ فاسقوں میں شمار ہوگا۔

اب ذرا بتائیں کہ وہ کون سا اعتدال ہے، جس کا چلن مولانا موصوف جاری کرنا چاہتے ہیں، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ تو کذاب، مفتری قرار دے کر تفضیلِ علی کے قائل پر کوڑے کی سزا نافذ کریں، اور غضب فرمائیں، اور آپ اس مغضوب و مفتری کے لیے اپنا سینہ چوڑا کرلیں، دل کا دروازہ کھول کر اس میں بٹھانے کی دعوت عام دیتے پھریں۔

ابوالیسر محمد بن محمد صدر الاسلام بزدوی (متوفی:493ھ) لکھتے ہیں:

وقالت القدرية، المعتزلة، والروافض، إن عليا أفضل هؤلاء الأربعة. (١٩٩)

وأقلهم شرًّا "الزيدية" فإنهم كانوا لا يكفّرون أحدًا من أصحاب النبي عليه السلام، ويقولون: إن أبا بكرٍ وعمرَ كانا إمامي حقٍّ، ولكن يفضّلون عليًّا على سائر الصحابة.

قدریہ، معتزلہ اور روافض کہتے ہیں کہ حضرت علی ان چاروں (خلفائے راشدین) میں سے سب سے افضل ہیں۔

ان میں سب سے کم برائی والے "زیدیہ" ہیں؛ کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ابوبکر اور عمر حق کے امام تھے، مگر وہ مولا علی کو تمام صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔

(أصول الدين - لصدر الإسلام البزدوي، ص: ٢٥٤، ٢٥٥، المكتبة الأزهرية للتراث، القاهرة المصر سنة النشر: ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣ء)

وضاحت: علامہ بزدوی کی صراحت کے مطابق تفضیلِ

مولا علی کا عقیدہ فرقۂ قدریہ، معتزلہ، اور روافض کا ہے، اہل سنت و جماعت میں ایسے لوگ کبھی بھی نہیں رہے ہیں۔ اور ان کی عبارت سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ موجودہ دور کے تفضیلی اس معاملے میں سب سے کم رتبہ شیعہ ''زیدیہ'' کے پیروکار ہیں۔

بحر العلوم علامہ عبد العلی بن ملا نظام الدین فرنگی محلی (متوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:

أما الشيعة الذين يفضلون عليا على الشيخين، ولا يطعنون فيهما أصلاً، لك "زيدية" فتجوز خلفهم الصلاة، لكن تكره كراهة شديدة.

بہر حال وہ شیعہ جو مولا علی کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں، لیکن ان دونوں پر سرے سے کوئی طعن نہیں کرتے، جیسے: زیدیہ؛ تو ان کے پیچھے نماز جائز تو ہے، لیکن سخت کراہت کے ساتھ مکروہ ہے۔

(رسائل أركان الأربعة، لبحر العلوم اللكنوي، ص: ۲۸۹، الرسالة الأولى في الصلاة، بيان من تكره إمامته، دار الكتب العلمية بيروت، عام النشر: ۱۴۴۳ھ-۲۰۲۱ء)

وضاحت: اوپر اس سے قبل علامہ صدر الاسلام بزدوی نے بھی فرمایا کہ بداعتقادی پر مبنی سب سے قلیل درجے کا شر رافضیوں کی ایک شاخ ''زیدیہ'' کا ہے، جو حضرات شیخین کو خلیفۂ برحق ماننے اور دیگر بعض امور میں تو اہل سنت کی طرح نظریہ رکھتے ہیں، مگر وہ شیخین پر حضرت علی کی افضلیت کے قائل ہیں، اور درج بالا عبارت میں صاحبِ فواتح الرحموت علامہ بحر العلوم لکھنوی نے بھی اس تفضیلی نظریہ کو اسی ''شیعہ زیدیہ'' کی جانب منسوب کیا، اور ان کی اقتدا کو سخت کراہت پر مبنی قرار دیا۔

ترجمانِ تعلیماتِ سلف وصالحین امام اہلسنت اعلی حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۳۴۰ھ) لکھتے ہیں:

تفضیلِ صدیق، قرآن و حدیث و اجماعِ امت سے ثابت، جو اس سے انکار کرے قریب ہے کہ اس کے ایمان میں خطرہ ہو۔ انتہائی عجب اس سے جو اجماع صحابہ و تابعین و کافۂ اہل سنت کا خلاف کرے، اور خود کو سنی جانے۔

...علمائے دین تفضیلیہ کو سنیوں میں شمار نہیں کرتے، اور انھیں اہل بدعت کی شاخ جانتے ہیں۔

(مطلع القمرين في إبانة سبقة العمرين، ص: ۱۲۹، کتب خانہ امام احمد رضا، لاہور)

خلاصۂ کلام:

فقہائے کرام وعلمائے اسلام، سلف وصالحین و بزرگانِ دین نے تفضیلیہ (حضرت مولا علی کو حضرات شیخین پر فضیلت دینے والوں) کو رافضی فرقہ کی ایک شاخ ''زیدیہ'' کا مقلد، بدعتی، گمراہ گر، اور شیعہ قرار دیا ہے۔ ''تفضیلیت'' رافضیت کا چور دروازہ ہے، تفضیلی کو سنی ماننے اور اس کے لیے کشادہ قلبی کی تجویز پیش کرنا نہایت غیر شرعی، اور اجماعی عقیدۂ اہلسنت کے صریح خلاف ہے، یہ اِعتدال نہیں، بلکہ اِعتداء ہے، قول حق سے انحراف ہے۔ مولانا موصوف پر لازم ہے کہ اپنے اس قول سے فوری توبہ ورجوع فرمائیں، اور پہلے ہی سے انتشار وافتراق کے شکار افرادِ اہلسنت پر رحم کھائیں۔ انھیں مزید آزمائش میں نہ ڈالیں۔

□□□♥

مدارسِ دینیہ کے طلبہ اور معاشی خود کفالت

مولانا انیس الرحمن حنفی رضوی بہرائچ شریف
استاذ و ناظم تعلیمات جامعہ خوشتر رضائے فاطمہ گرلس اسکول سوار ضلع رامپور یوپی*

اسلامی معاشرت میں مدارسِ دینیہ ہمیشہ سے علمِ دین کے تحفظ، اشاعت اور تسلسل کا سب سے مضبوط قلعہ رہے ہیں۔ انہی اداروں نے ہر دور میں ایسے رجالِ علم پیدا کیے جنہوں نے نہ صرف عقائد و عبادات کی حفاظت کی بلکہ معاشرے کو فکری، اخلاقی اور روحانی سمت بھی عطا کی۔ تاہم یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہر دور کے اپنے تقاضے، مسائل اور چیلنجز ہوتے ہیں، اور موجودہ عہد کا سب سے نمایاں چیلنج معاشی عدمِ استحکام اور وسائل کی ناہموار تقسیم ہے۔ اس پس منظر میں یہ سوال نہایت سنجیدگی کے ساتھ سامنے آتا ہے کہ مدارسِ دینیہ سے وابستہ طلبہ اور فارغین اپنی دینی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ معاشی استحکام کو کس طرح حاصل کریں، اور کیا اس کوشش کو دینی مزاج، زہد و ورع یا وقارِ علم کے منافی سمجھا جانا چاہیے؟

اگر اس سوال کو جذبات کے بجائے تاریخ، شریعت اور عقلِ سلیم کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ اسلام نے کبھی فقر و فاقہ کو بذاتِ خود مطلوب نہیں قرار دیا، بلکہ مطلوب ہمیشہ استغنا، قناعت اور حلال کمائی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوی سے لے کر سلف صالحین تک، اہلِ علم کی ایک بڑی تعداد ایسی نظر آتی ہے جو دینی قیادت کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود کسی نہ کسی جائز ذریعے سے معاش بھی حاصل کرتی رہی۔ اصل خرابی مال کے حصول میں نہیں، بلکہ اس کے دل پر غالب آ جانے میں ہے۔

موجودہ دور میں مدارس کے طلبہ کے حالات کا اگر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو ایک قدرِ مشترک نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے، اور وہ ہے معاشی بے یقینی۔ مدارس سے فراغت کے بعد امامت، خطابت یا تدریس جیسے روایتی میدان محدود ہوتے جا رہے ہیں، جبکہ طلبہ کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسری طرف معاشرے کی عمومی ترجیحات بھی تبدیل ہو چکی ہیں؛ دینی خدمات کی تحسین تو کی جاتی ہے، مگر اس کے ساتھ مالی کفالت کا جذبہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ نتیجتاً بہت سے باصلاحیت اور مخلص طلبہ اپنی زندگی کے ابتدائی برسوں میں ہی معاشی دباؤ، احساسِ کمتری اور ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں، جو بالآخر ان کی علمی استعداد اور دعوتی اثر پذیری کو متاثر کرتا ہے۔

یہ صورتِ حال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مدارس اور ان کے وابستگان محض وقتی جذبات یا روایتی تصورات پر اکتفا نہ کریں، بلکہ اس مسئلے کو ایک علمی اور اجتماعی مسئلہ سمجھ کر اس کا حل تلاش کریں۔ یہاں سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنی ضروری ہے کہ دینی طالبِ علم کا باعزت روزگار اختیار کرنا نہ تو توکل کے منافی ہے اور نہ ہی زہد کے۔ بلکہ درحقیقت وہ علم جو

انسان کو محتاجی سے بچالے اور سوال سے محفوظ رکھے، خود شریعت کی نظر میں پسندیدہ ہے۔

اگر ہم تاریخِ اسلام کے درخشاں ابواب کی طرف رجوع کریں تو یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر فقیہ تجارت سے وابستہ تھے، مگر ان کی فقاہت، تقویٰ اور علمی جلالت پر کبھی حرف نہیں آیا۔ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کے کاروبار سے وابستہ تھے، مگر علم و ورع میں ان کا مقام مسلم تھا۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ القوی زہد و خشیت کا استعارہ تھے، مگر وہ لوگوں کے احسان کے بوجھ تلے دب کر جینے کے قائل نہ تھے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی زندگی اس بات کی روشن مثال ہے کہ عبادت، خدمت اور خودداری ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل ہیں۔ یہ تمام مثالیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام میں اصل قدر اخلاقی بلندی اور نیت کی پاکیزگی ہے، نہ کہ محض ظاہری فقر۔

اس تناظر میں جب ہم موجودہ دینی طلبہ کے لیے موزوں ذرائعِ معاش پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر وہ ذریعہ جو حلال ہو، وقارِ علم کے مطابق ہو اور دین کی بنیادی ذمہ داریوں میں خلل نہ ڈالے، قابلِ قبول ہی نہیں بلکہ بسا اوقات ضروری بھی ہے۔ علمی دنیا سے وابستہ رہتے ہوئے تصنیف و تالیف، ترجمہ، تحقیق اور تدریس جیسے میدان ایسے ہیں جہاں دینی طالبِ علم اپنی اصل شناخت برقرار رکھتے ہوئے معاشی سہارا حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح جدید ذرائع ابلاغ اور ڈیجیٹل دنیا نے ایسے امکانات پیدا کر دیے ہیں جن سے فائدہ اٹھا کر دینی علم کی اشاعت بھی کی جا سکتی ہے اور باعزت آمدنی بھی حاصل ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اس کے لیے اخلاقی حدود اور دینی اقدار کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

یہی بات ان طلبہ کے لیے بھی نہایت اہم ہے جو ابھی دورانِ تعلیم مدارس سے وابستہ ہیں۔ اگر طالبِ علم ابتدا ہی سے یہ شعور حاصل کر لے کہ علم کے ساتھ کسی معاون ہنر کا سیکھنا اس کے دینی تشخص کے خلاف نہیں، تو وہ فراغت کے بعد شدید ذہنی دباؤ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ نہایت اہم ہے کہ ایسا ہنر اختیار کیا جائے جو وقت کے نظم کو خراب نہ کرے، ذہن کو منتشر نہ کرے اور طالبِ علم کو دنیا پرستی کی طرف مائل نہ کرے، بلکہ اس کے علمی سفر کا معاون بنے۔

اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ اور ان سے وابستہ طبقہ اگر عصرِ حاضر کے معاشی حقائق سے آنکھیں بند رکھے گا تو نقصان صرف افراد کا نہیں بلکہ پورے دینی نظام کا ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس میں ایسے فکری ماحول کو فروغ دیا جائے جہاں علم کے ساتھ خودداری، زہد کے ساتھ بصیرت اور تقویٰ کے ساتھ حکمت کو جمع کیا جائے۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر آج کا دینی طالبِ علم محتاجی سے بچتے ہوئے دین کی خدمت زیادہ قوت، زیادہ استقلال اور زیادہ اثر کے ساتھ انجام دے سکتا ہے۔

آخر میں یہ بات کہنا بے جا نہ ہوگا کہ امت کو ایسے علماء کی ضرورت ہے جو علم میں راسخ، کردار میں بلند اور معاشی طور پر خود کفیل ہوں، تاکہ وہ کسی کے سامنے جھکنے کے بجائے حق کے سامنے کھڑے ہو سکیں۔ اگر یہ توازن قائم ہو جائے تو بعید نہیں کہ آنے والا دینی طبقہ پھر سے تاریخ کو یہ یاد دلانے میں کامیاب ہو جائے کہ علمِ دین کبھی کمزوری نہیں، بلکہ صحیح فہم کے ساتھ اختیار کیا جائے تو یہ دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

□□□

حالات کے تناظر میں مدارس کے نصاب میں تجدید کی ضرورت

مباحثہ کے شرکا

محترم احمد جاوید صاحب، سید منور علی شاہ بخاری قادری، مولانا جمال انور رضوی، مولانا اشکر رضا لطفی

اس میں کوئی شک نہیں کہ مدارس اسلامیہ کا نصاب انتہائی جامع، موزوں اور قابل تقلید رہا ہے۔ اسی نصاب نے مختلف شعبوں کے لیے قابل فخر اور نامغہ روزگار شخصیات دئے ہیں جنہوں نے تاریخ میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔ صدیوں تک یہی نصاب مدارس میں نافذ رہا اور وار بدلتے رہے، تقاضے بدلتے رہے اور جزوی تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں۔ انگریزوں کے دور استعمار میں اسلام کے خلاف ان کی ریشہ دوانیاں دیکھ کر مدارس کے نصاب کو خالص دینیاتی کیا گیا تا کہ دین کے تحفظ کے لئے زیادہ سے زیادہ علما مہیا ہوسکیں اس طرح مدارس کا نصاب دو حصے میں تقسیم ہوگیا مدارس کا نصاب خالص دینیات سے متعلق ہوگیا اور وہ علوم وفنون جو آج عصریات کے نام سے معروف ہیں رفتہ رفتہ مدارس سے الگ ہوگئے۔

مدارس کے جس نصاب کو خالص دینیاتی کیا گیا تھا اسے بھی اب کئی سو سال ہوگئے۔ کسی بھی تہذیب تمدن افکار نظریات اور سیاسی حالات کی تبدیلی کے لیے اتنے سال بہت ہوتے ہیں جس سے اپنا ملک عزیز بھی الگ نہیں رہا۔ اب یہاں قدر بدل چکی ہیں اسلامی تہذیب اپنے وجود کی جنگ ہارنے کے قریب ہے۔ مدارس کا معیار نا گفتہ بہ ہے۔ سیاست کی بدلتی فضانے ایسے ماحول پیدا کر دیے ہیں کہ یہاں کی سب سے بڑی اقلیت کے لیے اب زندگی سے لے کر شعائر اسلام تک کے تحفظ کے لئے مسائل درپیش ہیں۔

ان تمام صورتحال کے سبب اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ ہم اشتراک عمل کے ساتھ مستقبل کی پیش بندی کریں بدلتی فضا کا مزاج سمجھیں، نفرتوں کی یلغار سے مذہب، ملت، قومیت، قومی آثار، تہذیب وتمدن اور اپنی نسلوں کو محفوظ رکھنے کے لیے لائحہ عمل مرتب کریں۔ ان تمام تعلیمی مراکز کا جائزہ لیں جہاں نسلیں تہذیب سیکھتی ہیں اور اسی ماحول میں پروان چڑھتی ہیں۔ مدارس کا نصاب بھی اسی جائزے کا حصہ ہے جو ہمارے مباحثہ کا موضوع ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے یہ سوالات بڑی اہمیت کے حامل ہیں کہ:

(۱) کیا مدارس کا موجودہ نصاب اپنی تاریخی تشکیل کے وقت جتنا موثر تھا آج بھی اسی قوت کے ساتھ موثر ہے؟

(۲) درس نظامی نے جو ذہنی ضبط، فقہی گہرائی اور استدلالی قوت پیدا کی تھی، کیا آج کا طالب علم اس نصاب کو پڑھ کر معاصر فتنوں اور جدید سوالات کا سامنا کر رہا ہے یا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟

(۳) کیا آلہ جاتی علوم جیسے ※ نحو، صرف، ادب، منطق فلسفہ کا موجودہ تناسب جو چار پانچ سالوں پر محیط ہے اور احادیث کی تدریس جو چار سالوں تک تسلسل کے ساتھ ہے اس پر آپ غور وفکر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

(۴) اگر آئندہ ۵۰ / برسوں میں فارغین مدارس کو امت کی فکری وملی قیادت کرنی ہے اور نئے چیلنجز کے لئے طلبہ کو تیار کرنا ہے تو کیا ایسی صورت میں موجودہ نصاب میں کچھ تبدیلیوں کی ضرورت ہے؟

(۵) اگر آپ ایسا تصور کرتے ہیں تو اس کا ایک ممکنہ خاکہ کیا ہوسکتا ہے؟

یہ محض سوالات نہیں ہیں بلکہ اس نظام تعلیم کی تاثیریت کا جائزہ اور ممکنہ تبدیلیوں پر غور وخوض کی دعوت ہے جو صدیوں سے امت کی ہر جہت سے رہنمائی کرتا رہا ہے۔ اس مباحثہ کے لئے ہمارے جن قلم کاروں نے اس، باحثہ کے لئے وقت نکالا ہم ان کے ممنون ہیں اور ان کے علمی وقار کی سلامتی کے لئے دعا گو ہیں۔ ان میں خصوصیت سے محترم احمد جاوید، سید منور علی شاہ قادری صاحب، مولانا جمال انور رضوی صاحب، مولانا اشکر رضا لطفی صاحب قابل ذکر ہیں ج کی تحریریں اس مباحثہ کا حصہ بنی ہیں

امجد رضا امجدؔ
مدیر: الرضا انٹرنیشنل پٹنہ

مباحثہ

جوابات

محترم احمد جاوید صاحب
جنرل سکریٹری، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت، ڈی 250، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025_9818844546

اسلام نے دنیا کو بلاتفریق نسل وجنس سب کے لیے تعلیم کا تصور دیا اور تعلیم کی دو سطحیں یہاں عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی متعین چلی آتی ہیں۔ ایک درجہ ضرورت اور دوسرا درجہ فضل۔ دین اور حوائج ضروریہ کی بنیادی تعلیم وتربیت اس کی پہلی سطح ہے جو ہر مرد وعورت پر فرض ہے۔ اسی کو آج دنیا بنیادی تعلیم (Elementary Education) کہتی ہے اور اسی پر بچوں کی آئندہ زندگی کے امکانات کا انحصار ہوتا ہے کہ وہ کیا کرے گا یا کیا بنے گا؟ اس کا لازمی حصہ دینی عقائد وفرائض، آداب معاشرت ومعاملات، قرآن کا پڑھنا اور حساب کتاب رکھنا وغیرہ سیکھنا ہے۔ جمہوریت نے انسان پر ان امور کا جاننا بھی ضروری کر دیا ہے جن کی سوجھ بوجھ کسی ریاست کے شہری پر لازمی ہے اور جو کسی جمہوری معاشرے میں اپنے حقوق کے تحفظ اور معیشت کے استحکام کی جدوجہد میں مددگار ہیں۔ نوع اول کے مضامین کو آپ مضامین عالیہ اور نوع دوم کو مضامین آلیہ بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے معاون و متکمل ہیں۔

بنیادی تعلیم وتربیت میں بہرصورت وقت وحالات کے تقاضے ملحوظ رکھے جاتے ہیں، اس کے معیار سے سمجھوتہ اپنے آپ سے دشمنی جیسا ہے۔ اسی طرح اس میں رنگ ونسل یا جنس کی تفریق بھی اپنے اجتماعی وجود کے آدھے حصے کو زندگی کی جدوجہد سے باہر کر لینا یعنی لڑنے سے پہلے ہی آدھی جنگ ہار جانا ہے۔ ایک جمہوری معاشرے میں آپ کی حیثیت اسی سے طے ہوتی ہے کہ اقتدار اور معیشت میں آپ کا کردار کتنا ہے۔ میرا مطالعہ ومشاہدہ ہے کہ روایتی درس نظامیہ اپنی تشکیل کے وقت جتنا مؤثر تھا، آج نہ تو بنیادی سطح پر ہی اتنا مؤثر ہے نہ اعلیٰ سطح پر ہی وقت کے چیلنجز کا سامنا کرنے میں اتنا اہل ہے۔ علوم وفنون کی ترقی اور نظام کی تبدیلی نے جو خلیج پیدا کیا ہے، وہ ذہنی، فکری اور ترسیلی ہر محاذ پر نصاب میں اصلاح وتجدید کا متقاضی ہے۔

سب سے پہلے تو اس سلسلے میں یاد رکھنا چاہیے کہ مدارس نے جب سے قواعد وضوابط اپنایا اور نصاب کا تعین کیا، تبھی سے اس میں حسب ضرورت ترمیم واضافہ اور اصلاح وترقی کا سلسلہ جاری ہے۔ کسی بھی دور میں ہمارا نصاب مقدس گائے نہیں رہا ہے۔ مدرسہ نظامیہ بغداد کا جو نصاب امام شیرازی اور شیخ صباغ کے دور میں تھا، امام شاشی اور امام غزالی کا دور آتے آتے اس میں کئی تبدیلیاں آچکی تھیں اور کئی نئی کتابیں داخل درس ہو چکی تھیں۔ امام صغانی کا دور آیا تو مشارق الانوار حدیث میں متداول تھی جبکہ آگے چل کر اس کی جگہ مشکوٰۃ المصابیح نے لے لی۔ ترک فاتحین کے ساتھ وہی نظام تعلیم ہندوستان آیا جو عہد بنو عباس کے بغداد نے دنیا کو دیا تھا۔ یہاں اس نے اس وقت ایک اور کروٹ لی جب ملا صدرا اور امام تفتازانی کی کتابیں ان کے شاگردوں کے ساتھ ہندوستان آئیں، دوسری کروٹ میر شیرازی اور ان کے شاگردوں کے ذریعے آئی، جب طب وحکمت، ہندسہ وریاضی اور منطق وفلسفہ کی تعلیم کی مزید حوصلہ افزائی کی گئی۔ اسی کے نتیجے میں وہ نصاب وجود میں آیا جس کو ملا نظام الدین سہالوی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ان کا اختصاص یہ تھا کہ انہوں نے کھلے دل سے اپنے معاصرین کی کتابیں درس میں شامل کیں۔ بحر العلوم ملا عبد العلی، ملا مجد الدین اور علامہ فضل امام خیرآبادی جیسے علماء کے ذریعے یہ نصاب مشرق ومغرب شمال وجنوب پورے برصغیر ہند میں پھیل گیا لیکن آج جس

نصاب کو درس نظامیہ کہا جاتا ہے، وہ اس کی وہی شکل نہیں ہے جو ملا نظام الدین نے مرتب کیا تھا۔ مثال کے طور پر اس میں عربی زبان کی تعلیم صرف ونحو اور بلاغت و معانی تک محدود تھی، شعروادب شامل درس نہ تھا جس پر ماضی میں بہت زور تھا۔ اسی طرح تصوف کو درس سے نکال دیا گیا تھا اور حدیث میں صرف ایک کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا درس کافی تھا۔ موقوف علیہ پر دورہ حدیث یا صحاح ستہ کی سماعت (ایک سال) کا اضافہ بعد کی ایجاد ہے۔ جبکہ منطق کی چھ، حکمت (فلسفہ) کی تین اور ریاضی و ہندسہ کی پانچ کتابیں شامل تھیں اور وقفہ تعلیم گیارہ سال تھا جس کی تین سطحیں متعین تھیں (1) درجات ابتدائی وفارسی، تین یا چار سال (2) درجات عربی، 4 سال (3) متوسطات وموقوف علیہ، تین سال۔

موجودہ مروجہ درس نظامیہ اصل درس نظامی کی ایک بہت مختصر ومختلف شکل ہے جس کو اصل درس نظامیہ کے مضامین یعنی (1) دینیات (تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور کلام)، (2) معقولات (منطق و فلسفہ) اور (3) حساب (ریاضی و ہندسہ) ساتھ جدید طرز پر مرتب کریں تو وہ از خود رائج العصر نظام تعلیم کے سینئر سیکنڈری کے برابر ہو جاتا ہے۔ ماضی میں اسکولوں کا ایف اے/ ایف ایس سی بھی مدرسہ کا موقوف علیہ ہی تھا یعنی پرائمری کے تین سال، مڈل اسکول کے چار، ہائی اسکول کے کہیں ایک اور کہیں دو سال اور اس پر فائنل آف آرٹ/ سائنس (FA/FSc) کا ایک سال جو پری یونیورسٹی یا انٹرمیڈیٹ کہلاتا تھا۔ ہندوستان میں یہی نظام 1960 اور 70 کے عشرے تک بھی رائج تھا۔ پہلے پرائمری کو چار سال اور اس کے بعد پانچ سال کا کیا گیا اور پھر اسی طرح ہائی اسکول اور ہائر سیکنڈری کے درجات کو دو دو سال کا کر دیا گیا۔ مدارس نے بھی ابتدائیہ اور اعدادیہ کو چھ سات سال کر کے وقفہ تعلیم کو گیارہ سے بڑھا کر بارہ، تیرہ اور چودہ سال کر لیے لیکن مضامین درس میں اضافہ نہیں کیا بلکہ اور بھی تخفیف کر لی۔ مقصد تھا دینی علوم کی روایت کو قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم وثقافت کی مزاحمت جس کے لیے کثرت سے مدارس قائم کیے گئے، زیادہ سے زیادہ طلبہ کے داخلے کی گنجائش پیدا کی گئی جو معاشرے میں جائیں اور دینی تشخص کا دفاع کریں۔ اس کے لیے نصاب کو آسان ومختصر کیا گیا اور داخلہ و حصول سند کے لیے علمی استعداد میں تخفیف سے کام لیا گیا۔ اس رجحان میں اس وقت مزید تیزی آ گئی جب مذہبی اختلافات کی نئی نئی شکلیں رونما ہوئیں اور دینی تعلیم میں مسلکی رقابت نے جڑ پکڑی۔

الغرض مدارس کی تعلیم نے تاریخ میں کئی کروٹیں لی ہیں۔ وقت کے تقاضے اور ضرورت کے مطابق علوم وفنون کا اضافہ بھی ہوا، ترمیم وتنسیخ بھی کی گئی، نصاب میں ان کی مقدار ومعیار میں کمی بیشی بھی آئی اور الگ الگ رجحانات کی درسگاہیں بھی وجود میں آئیں لیکن جو کیفیت آج برصغیر ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ یہ نظام تعلیم یہاں ایک عرصہ دراز سے تجربات کی زد میں ہے بلکہ ہر کس وناکس کا تختہ مشق۔ جس کے نتیجے میں قسم قسم کے مدارس اور طرح طرح کے نصاب فروغ پا گئے ہیں۔ اب سو سوالوں کا ایک سوال یہی ہے کہ ان کا مربوط ومنظم ہونا، یکسانیت (Uniformity) لانا اور معیار بندی کرنا امر ناگزیر وکارِ واجبہ ہے یا نہیں؟ یہ احساس تو انیسویں صدی کے اواخر سے ہی اسلامیان ہند کو بے چین کر رہا ہے کہ مروجہ درس نظامیہ اپنی تمام تر بنیادی خوبیوں کے باوجود وقت کے تقاضوں اور جدید ذہن کے چیلنجز کا ساتھ نہیں دے رہا ہے اور اس کے لیے اس میں اصلاح کی ضرورت ہے۔

محض صرف ونحو، منطق وفلسفہ اور حدیث وفقہ کی تدریس کے موجودہ تناسب پر ہی غور وفکر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ توجہ بنیادی تعلیم (Elementary Education) پر دینے کی ضرورت ہے کیونکہ بچوں کی آئندہ زندگی کے امکانات اسی پر منحصر ہیں۔

ایک جمہوری معاشرے میں آج اپنے سیاسی، سماجی اور معاشی مفادات کے دفاع اور حقوق کے تحفظ کے لیے افراد یا قوم کے

لیے کن علوم وفنون کی ضرورت ہے، اپنے دینی تشخص اور ملی وجود کا دفاع آج ہر فرد پر کس درجے میں فرض ہے اور وقت نے اس جدوجہد کا دائرہ کتنا پھیلا دیا ہے، وہ اب کسی پر مخفی نہیں رہ گیا ہے۔ مدارس اگر سماج کے ہر طبقے کی تعلیم وتربیت کے لیے ہیں تو نصاب میں اس کا لحاظ رکھنا اور اس کو تعلیم کے جملہ مقاصد: (1) حصول دین (2) حصول علم اور (3) حصول معاش پر حاوی ومحیط بنانا ضروری ولازمی ہے تاکہ معاشرے کو ہر شعبے میں اہل افراد میسر آئیں۔ اس سطح پر مادری زبان، عربی، دینیات، حساب، سائنس اور علم تمدن و ماحولیات کی معیاری کے بغیر یہ مقاصد حاصل نہیں ہوسکتے۔ بہتر ہے کہ اس میں چار یا پانچ درجے ابتدائیہ اور بقیہ تین درجے متوسطات کے مرتب کریں۔ پہلے دوسرے سال میں صرف مادری زبان اور عربی پڑھنا لکھنا سکھائیں، پھر حسب ضرورت دوسری زبان (ہندی انگریزی وغیرہ) کی تعلیم شروع کریں۔

اگر فارغین مدارس کو امت کی فکری اور عملی قیادت کرنی ہے تو سب سے پہلے ان کی بنیادی تعلیم کو معیاری بنانا ہوگا۔ پھر ثانوی تعلیم میں حساب، سائنس، سوشل سائنس اور کسی ایک بڑی زبان (ہندی، انگریزی، فرنچ یا حسب مقام وضرورت کوئی اور) کو شامل کرنا ہوگا۔ اسی طرح ثانوی اور اعلیٰ ثانوی (موقوف علیہ) سطح پر منطق وفلسفہ کے نصاب کو جدید منطق اور جدید فلسفہ کے مباحث سے مزین اور علم کلام میں جدید کلامی مباحث کو شامل بغیر نصاب کو معیاری نہیں بنایا جاسکتا۔ مدارس میں اعلیٰ تعلیم کا نصب العین شریعت اسلامیہ (فقہ وعقائد) یعنی قانون کی تعلیم ہے اور منطق وفلسفہ اس کا لازمی عنصر ہے۔ اس کے بغیر دنیا کی کسی بھی یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم کا تصور نہیں کیا جاتا ہے لیکن بدقسمتی سے فرسودہ وازکار رفتہ علوم کہہ کر منطق وفلسفہ کو ترک کرنے یا اس کے نصاب میں تخفیف کی روش عام ہوگئی جبکہ مدارس میں ان علوم کی تعلیم کی بڑی مضبوط روایت رہی ہے۔

ہندوپاک کے مرکزی مدارس اصلاً ہائر سیکنڈری اسکول ہیں لیکن ان میں سے اکثر جامعات ہونے کے دعویدار ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ یہ خود کو سچ مچ رائج العصر معیار کے اسکول، کالج اور باضابطہ طور پر یونیورسٹی بنائیں اور اپنا نصاب مدون ومرتب کریں یا پھر جامعہ الازہر کا نصاب اپنائیں ورنہ کم ازکم مروجہ درس نظامیہ کو جدید طرز پر مرتب کریں تاکہ ہمارے مدارس کم ازکم ثانویہ عالیہ تک رائج العصر عالمی معیار کو پالیں جس کے لیے اس کو صرف درجہ بدرجہ مرتب کرنے اور ان میں حسب معیار حساب (ہندسہ وریاضی)، سائنس اور سوشل سائنسز کو شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ایک آسان متبادل درس نظامیہ تجویز کیا جارہا ہے۔ ملاحظہ کریں:

مروجہ درس نظامیہ

متبادل درس نظامیہ

ابتدائیہ 1 تا 6

مادری زبان، ابتدائی حساب، فارسی، ابتدائی عربی، بنیادی دینیات اور آداب معاشرت وغیرہ

مادری زبان، عربی، دینیات، حساب، سائنس، آداب معاشرت اور سماج وماحولیات اور دوسری زبان (ہندی/انگریزی)

اولیٰ

(1) عربی زبان اور صرف ونحو (2) سیرت (3) معاشرت

(1) عربی زبان اور صرف ونحو (2) مادری زبان (3) دوسری زبان (4) دینیات (5) حساب (6) سائنس (6) سماجی علوم

ثانیہ

(1) عربی صرف ونحو اور لغت وادب (2) ابتدائی فقہ اور (3) ابتدائی منطق

(1) عربی زبان اور صرف ونحو (2) مادری زبان (3) دوسری زبان (4) دینیات (5) حساب (6) سائنس (6) سماجی علوم

ثالثہ

(1) ترجمہ قرآن، حدیث وفقہ (2) عربی صرف ونحو اور لغت وادب (3) منطق

(1) عربی زبان، ادب، انشاء وقواعد (2) مادری زبان (3) دوسری زبان (4) دینیات (5) حساب (6) سائنس (6) سماجی علوم

رابعہ

(1) ترجمہ قرآن (2) فقہ واصول فقہ (3) بلاغت (4) منطق

(1) دینیات: قرآن، حدیث وفقہ (2) عربی زبان وادب (3) کوئی دوسری زبان (4) حساب (5) سائنس (6) سماجی علوم

اس جدول میں ثانیہ تا رابعہ منطق کے بجائے حساب اور سائنس رکھی گئی ہے اور عربی کے ساتھ مادری زبان شامل کی گئی ہے جس سے یہ نصاب سی بی ایس ای کے مساوی ہوگیا۔ اس اضافی مضمون کے طور پر منطق وفلسفہ بھی رکھ سکتے ہیں اور عربی کے ساتھ انگریزی، ہندی یا کوئی اور زبان لے سکتے ہیں۔ حقیقی اضافہ اس میں صرف حساب اور سائنس ہے۔ بقیہ علوم ماحول اور معاشرت کی سمجھ پر مبنی ہوتے ہیں جو بالکل آسان اور دلچسپ ہوتے ہیں۔

اب درس نظامیہ کے بقیہ چار سال کا نصاب اور اس کا معیاری متبادل دیکھیں:

مروجہ درس نظامیہ

متبادل درس نظامیہ

خامسہ

(1) ترجمہ قرآن (2) فقہ واصول فقہ (3) عقائد (4) عربی ادب وبلاغت (5) منطق (6) فلسفہ (7) تاریخ

(1) دینیات: تفسیر، حدیث، فقہ واصول اور کلام (2) عربی زبان وادب (3) منطق (4) فلسفہ (5) سوشل سائنسز

سادسہ

موقوف علیہ

(1) تفسیر (2) حدیث (3) فقہ (4) عربی ادب (5) منطق (6) فلسفہ

(1) دینیات: تفسیر، حدیث اور فقہ (2) ادب وانشا (3) منطق (4) فلسفہ (5) کوئی ایک سوشل سائنس

سابعہ

(1) حدیث (2) فقہ (3) عقائد

(1) دینیات: تفسیر، حدیث، فقہ اور کلام وعقائد (2) زبان وادب (3) منطق (4) فلسفہ (5) کوئی اضافی مضمون

خامسہ اور سادسہ کا نصاب بغیر کسی ترمیم واضافہ کے سینئر سیکنڈری (+2) کے مساوی ہے۔ اس میں کسی ایک اور زبان کا اضافہ کیا جاسکتا ہے اور ایک اور اضافی مضمون بھی رکھا جاسکتا ہے۔ ضرورت صرف نصابی مضامین کی معیار بندی اور معیار کے مطابق کتب نصاب کی تیاری اور تدریس کے لیے اہل اور تربیت یافتہ اساتذہ کی فراہمی کی ہے۔ اہل اساتذہ سے میری مراد پرائمری کے ٹرینڈ ٹیچر، ہائی اسکول کے ٹی جی ٹی اور ہائر سیکنڈری کے لی پی جی ٹی ہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ انٹرمیڈیٹ میں فلسفہ، منطق یا دینیات پڑھانے کے لیے بارہویں پاس معلم بحال کیے جائیں جو اب تک رائج ہے۔ سابعہ اور ثامنہ کو بھی صرف عربی زبان وادب اور منطق وفلسفہ یا

دوسرے مضامین کے اضافے کے ساتھ اس کی اصل پر رکھتے ہوئے بی اے اور بی اے آنرز کے مساوی بنایا جاسکتا ہے۔اسی طرح دورہ حدیث کو فاضل حدیث (ماسٹر ڈگری) بنایا جاسکتا ہے لیکن بجائے خود یہ روایت حدیث کی اجازت اور ایک ڈپلوما یا ٹائٹل ڈگری (فضیلت) کے طور پر بھی ایک اہم متبرک روایت ہے جس کو بدستور باقی رکھا جانا چاہیے۔

□□□

سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی: (امریکہ)

اسلام ایک آفاقی، ہمہ گیر اور ابدی دین ہے جو ہر دور اور ہر خطے کے انسان کے لیے مکمل ضابطۂ حیات فراہم کرتا ہے۔اس کی آفاقیت کی سب سے روشن دلیل یہ ہے کہ اسلام نہ تو زمانے کی رفتار سے خوف زدہ ہوتا ہے اور نہ ہی تغیراتِ زمانہ سے کٹ کر جینے کا قائل ہے، بلکہ وہ ثبات فی الاصول اور تغیر فی الفروع کا حسین اور متوازن امتزاج پیش کرتا ہے۔

اسی تناظر میں جب ہم مدارسِ اسلامیہ کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ادارے ہمیشہ سے دینِ اسلام کے علمی قلعے، فکری مورچے اور تہذیبی حصار رہے ہیں۔

تاہم آج کے اس تیز رفتار، پیچیدہ اور فکری انتشار سے بھرپور دور میں جہاں سائنسی انکشافات، ڈیجیٹل انقلاب، فکری یلغار اور مذہب بیزاری کے رجحانات شدت اختیار کر چکے ہیں یہ سوال پوری سنجیدگی کے ساتھ ہمارے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے:

کیا مدارسِ اسلامیہ کا موجودہ نصاب بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہے؟

اور اگر کہیں کمی یا خلا محسوس ہوتا ہے تو کیا اس نصاب میں تجدید اور تنظیمِ نو کی ضرورت ہے؟

مدارسِ اسلامیہ کا تاریخی و تہذیبی کردار: مدارسِ اسلامیہ محض درس و تدریس کے مراکز نہیں رہے، بلکہ یہ امتِ مسلمہ کی فکری، اخلاقی اور دینی قیادت کے سرچشمے رہے ہیں۔تاریخِ اسلام اس حقیقت پر شاہد ہے کہ:

حدیثِ نبوی ﷺ کی حفاظت محدثینِ مدارس کے ذریعے ہوئی۔فقہ اسلامی کی تدوین اور فروغ مدارس کے علمی ماحول میں پروان چڑھا۔عقائدِ اہلِ سنت کی نگہبانی علمِ کلام کے ماہرین نے کی، تاتاری یلغار کے بعد علومِ اسلامیہ کی تجدید ہو یا صلیبی دور میں فکری مزاحمت ہر مرحلے پر مدرسہ ہی وہ ادارہ ثابت ہوا جس نے امت کو فکری سہارا فراہم کیا۔برصغیر میں خصوصاً اہلِ سنت و جماعت کے مدارس نے انگریزی استعمار، قادیانیت، نیچریت، انکارِ حدیث اور وہابیت جیسے فتنوں کے مقابلے میں جس علمی، فقہی اور اعتقادی بصیرت کے ساتھ دفاع کیا، اس کی مثال اسلامی تاریخ میں کم ملتی ہے۔

نصابِ مدارس: ارتقائی روایت یا جامد نظام؟

برصغیر میں رائج درسِ نظامی کو بعض حلقے ایک جامد اور غیر متحرک نصاب قرار دیتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نصاب خود ایک ارتقائی علمی روایت کا ثمرہ ہے۔اس میں قرآن، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، منطق، فلسفہ، نحو اور ادب سب علوم ایک فکری ترتیب اور علمی توازن کے ساتھ شامل ہیں۔یہ تسلیم کرنا علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ:

نصاب اپنی اصل میں قابلِ احترام ضرور ہے، مگر اس کے ہر جز کا تقدس یکساں نہیں۔لہٰذا اگر وقت کے تقاضوں کے تحت بعض مضامین کی ترتیب، مقدار یا اسلوب پر نظرِ ثانی کی جائے تو یہ نصاب سے انحراف نہیں بلکہ نصاب کی بقا اور افادیت کی کوشش ہے۔

تجدید کا مفہوم: ایک بنیادی غلط فہمی:

بدقسمتی سے ہمارے علمی ماحول میں لفظ تجدید شدید غلط فہمیوں کا شکار ہو چکا ہے۔بعض حضرات تجدید کو: دین میں تبدیلی، اکابر

سے بغاوت، روایت سے انحراف سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ اسلامی اصطلاح میں تجدید کا مفہوم اس کے بالکل برعکس ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَھَا دِینَھَا" (سنن ابی داود)

امام سیوطی شاہ ولی اللہ اور امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی کے نزدیک تجدید کا مفہوم یہی ہے کہ: دین کو اس کی اصل روح کے ساتھ نئے حالات میں مؤثر انداز میں پیش کیا جائے۔ آج کا مسلمان نوجوان ایک ایسے ماحول میں زندگی گزار رہا ہے جہاں: سوشل میڈیا شکوک وشبہات کو فروغ دے رہا ہے، الحاد، سائنسی لبادہ اوڑھ کر پیش کیا جا رہا ہے، مستشرقین کے اعتراضات عام اور منظم ہو چکے ہیں، ایسے میں اگر عالمِ دین: جدید فکری اصطلاحات سے ناواقف ہو، معاصر سوالات کو سمجھنے سے قاصر ہو، تو وہ حق پر ہونے کے باوجود دعوت میں غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔

تجدید کے حامی اور مخالف: ایک متوازن جائزہ:

تجدید کے حامیوں کا اصرار ہے کہ: دعوت کے لیے جدید زبان اور اسلوب ضروری ہے، نئے فتنوں کا جواب نئے فکری تناظر میں دینا ہوگا جبکہ مخالفین کے خدشات یہ ہیں کہ:

کہیں نصاب کی روح متاثر نہ ہو، کہیں مدارس اپنی شناخت نہ کھو بیٹھیں، حقیقت یہ ہے کہ دونوں پہلوؤں میں وزن ہے، اور ان کا حل صرف اور صرف اعتدال میں ہے۔

اکابرِ اہلِ سنت کا منہج:

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی، صدرالافاضل، محدث اعظم پاکستان، صدرالشریعہ، حجۃ الاسلام، مفتی اعظم ہند اور دیگر اکابرِ اہلِ سنت، سب نے اپنے اپنے دور کے مسائل کا جواب عصر کے فہم کے ساتھ دیا، مگر اصول سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے۔

اعلیٰ حضرت نے جدید سوالات کا جواب نہ انگریزی علوم سے مرعوب ہو کر دیا، نہ شریعت کی کسی حد کو پامال کیا۔ یہی وہ معتدل منہج ہے جو آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

نصاب میں تجدید کی حدود وشرائط

قرآن، حدیث اور فقہ نصاب کے بنیادی ستون رہیں، عصری علوم معاون کی حیثیت رکھیں، مقصد دعوت، اصلاح اور دفاعِ اسلام ہو، تجدید اکابر کے منہج کے دائرے میں ہو۔ مدارسِ اسلامیہ کو نہ تو اندھی تقلید کی راہ اپنانی ہے اور نہ ہی بے مہار تبدیلی کا راستہ اختیار کرنا ہے، بلکہ اصول کی حفاظت اور اسلوب کی تجدید کے ساتھ آگے بڑھنا ہے۔ ایسی تجدید جو اکابرِ اہلِ سنت کے منہج میں ہو، خطرہ نہیں بلکہ نعمت ہے، اور اس نعمت سے جتنا مضبوطی کے ساتھ وابستہ رہا جائے، اتنا ہی دین، ملت اور دعوت کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا۔

□□□

مولانا جمال انور رضوی
مرکزی ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ مدارس کے قیام اور ان کے مکمل تعلیمی ڈھانچے کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے تفقہ فی الدین یعنی

قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی تعلیم دے کر افراد تیار کرنا جو دین متین کے اجالے دنیا میں پھیلائیں، اسی کے لیے بطور مبادی دیگر علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ اب یہاں دو باتیں اہم ہیں، اول یہ کہ بحیثیت طالب علم موجودہ نصاب ہمارے لیے کتنا اہم ہے اور دوم یہ کہ قوم میں کام کرنے کے حوالے سے یہ کہاں تک مفید ہے۔

مرتبۂ تعلم میں تو یہ سارے فنون ضروری ہیں رہی بات ان کے طویل دورانیے کی تو ممارست ومہارت کے لیے قدرے ترمیم کی گنجائش کے ساتھ اس کی بھی ضرورت ہے۔ دراصل مقصد فراموش مدارس کی کثرت نے طلبہ کا معیار خاصا گرا دیا ہے، ہر سال ہزاروں کی تعداد میں طلبہ مدارس سے دستار فضیلت حاصل کر کے نکل رہے ہیں مگر کسی لائق وفائق استاذ کی تلاش ہو تو اکثر مایوسی کا سامنا ہوتا ہے۔ طلبہ کی جانچ کریں تو یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ منتہی درجات کے طلبہ کی اکثریت عربی عبارت خوانی پر بھی قادر نہیں ہوتی، اب ایسی فصل کہاں تک کارآمد ہوگی یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو علماء لائق وفائق ہوتے ہیں انہیں تنگی معاش اور قوم مسلم کی طرف سے نظر آنے والی ناقدری ہراساں کر دیتی ہے پھر وہ اسکولوں کالجوں کی نوکری ہی میں اپنا مستقبل ڈھونڈنے پر مجبور ہوتے ہیں اور دینی پلیٹ فارمز پر وہی رہ جاتے ہیں جو دوسری طرف کامیاب نہیں ہو پاتے۔ نتیجۃً حاملین اسناد کی بھیڑ میں کام کا آدمی بہت مشکل سے ملتا ہے۔ کوہ کندن وکاہ برآوردن کے مرادف ان نتائج نے ہمیں یہاں پہنچا دیا کہ اب ہمیں نصاب ہی لمبا نظر آنے لگا۔ مگر مجھے لگتا ہے کہ نصاب کی تلخیص سے طلبہ کے کچھ ایام تو بچ جائیں گے مگر مایوسی کم نہیں ہوگی۔

حل کیا ہے؟۔۔

مدارس اور نصاب میں تنوع کو راہ دی جائے۔ ماہرین تدریس اور علمائے نفسیات کے مشوروں سے کم از کم تین قسم کا نصاب تیار کیا جائے۔ (1) حالیہ مروجہ نصاب قدرے ترمیم کے ساتھ، کیونکہ ان علوم کے ماہرین کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ علوم عقلیہ کو ماڈرن لینگویج سے ہم آہنگ کیا جائے تاکہ علماء اپنی بات عالمی پلیٹ فارم پر انشراح کے ساتھ رکھ سکیں اور مخالفین پر حاوی ہوں۔ (2) ابتدائی عربی کے ساتھ علوم دینیہ کا قلیل وقتی اردو نصاب جس میں ماڈرن زبان میں ملبوس علوم عقلیہ کا ابتدائی حصہ بھی شامل ہو۔ یہ ان لوگوں کے لیے مختص ہو جو اس کے بعد کالج یونیورسٹی کا رخ کرنا چاہتے ہیں۔ حال میں جامعہ اشرفیہ میں فضیلت خصوصی کی اصطلاح چلی ہے مگر اس کی حقیقت صرف اتنی معلوم ہوتی ہے کہ شوقین صاحبزادوں اور پیرزادوں کو بلا جد وجہد فضیلت کی دستار و سند مل جاتی ہے اور ادارے کے اساطین کو مالی وافرادی لحاظ سے مزید قوت کا احساس فراہم ہو جاتا ہے۔

(3) مکتب کا ایک مستقل نصاب جو دین کے ضروری علم اور اسکولی فنون کا مجموعہ ہو کیونکہ آج بھی مسلم اکثریت اپنے بچوں کو مکتب میں ضرور لاتی ہے مگر مکاتب سے مطمئن نہیں ہوتی تو مختصر وقتی ٹیوشن پر ہی قانع ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو نظر انداز کر دینا بھی مستقبل کو خطرات میں ڈالنا ہے۔

ان نصابوں کو نافذ کرنے کے لیے تین قسم کے مدارس کی بھی ضرورت ہوگی مگر نئے مدارس کھولنے پر اب روک لگائی جائے کہ اب اس کی گنجائش نہیں البتہ پُرعزم منظم مکاتب ضرور قائم کیے جائیں۔ اس کے لیے یہ صورت یہ اپنائی جا سکتی ہے کہ تعلیم گاہوں کی درجہ بندی کرتے ہوئے ان کو تین امتیازی نام اور کام دیے جائیں اول دارالعوام جہاں نصاب اول کی تعلیم ہو۔ دوم مدرسہ جہاں نصاب دوم کی تعلیم ہو اور سوم مکتب جہاں تیسرا نصاب پڑھایا جائے، ماضی قریب میں ایسی اصطلاح کسی حد تک رائج بھی رہی ہے مگر اب مسابقاتی دور میں ہر محفل کانفرنس، ہر مولوی علامہ اور ہر مدرسہ دارالعلوم اور جامعہ ہو چکا ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔ حفظ خانہ مکتب یا مدرسہ میں شامل کیا جائے مگر حفظ کے لیے انہی بچوں کا انتخاب ہو جو سن بلوغ سے پہلے پہلے حفظ سے فارغ ہو جائیں اور مزید حصول علم

کے لیے ان کے پاس وقت رہے ورنہ یہ واضح رہے کہ فضائل حفظِ قرآن مسلم ہونے کے باوجود حفظِ محض کوئی علم نہیں بلکہ صرف یادداشت ہے کہ عوام کو دس سورتیں یاد ہیں اور حافظ کو پورا قرآن، بقیہ معلومات لگبھگ مساوی۔ پھر ایسے کورے حفاظ امام مسجد ہوں گے تو نتیجہ کیا ہوگا یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مولیٰ تعالیٰ قوم مسلم پر خیر کے دروازے کشادہ فرمائے آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

□□□

مولانا اشکر رضا لطفی مصباحی: القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ

مدارسِ اسلامیہ روزِ اوّل ہی سے دینِ اسلام کے مضبوط قلعے اور شریعتِ مطہرہ کے امین رہے ہیں۔ یہ محض تعلیمی ادارے نہیں بلکہ انسان سازی کے وہ عظیم مراکز ہیں؛ جہاں فکر ونظر کی آبیاری ہوتی ہے، کردار کی تعمیر کی جاتی ہے، اور انسان کو اس کی حقیقی انسانیت سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ تاریخِ اسلام اس حقیقت پر شاہد ہے کہ، ہر دور میں مدارسِ اسلامیہ نے ایسے نابغۂ روزگار علما، مفکرین اور مصلحین پیدا کیے؛ جنھوں نے اپنے علم وعمل کی روشنی سے نہ صرف اپنے زمانے کو منور کیا بلکہ، آنے والی نسلوں کے لیے بھی مینارۂ نور بن گئے۔ آج بھی دنیا کے گوشہ گوشہ میں انہی مدارس کے فیض یافتہ، چراغِ علم روشن کیے ہوئے ہیں، اور قلوب واذہان کو جلا بخش رہے ہیں۔

تاہم یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ زمانہ ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ حالات بدلتے ہیں، تقاضے تبدیل ہوتے ہیں، اصطلاحات میں تغیر آتا ہے، اور اظہار کے اسالیب نئے سانچوں میں ڈھلتے ہیں۔ علماے اسلام نے ہر دور میں ان تبدیلیوں کا کسی نہ کسی حد تک ادراک کیا، اور وقت کی ضرورت کے مطابق جزوی اصلاحات بھی کرتے رہے۔ چناں چہ رفتہ رفتہ مدارسِ اسلامیہ میں ایک منظم نصاب تشکیل پایا جو اعدادیہ سے لے کر دورۂ حدیث تک ایک مربوط تعلیمی سلسلے کی صورت اختیار کر گیا۔ یہ نصاب طویل عرصے تک طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لیے مفید اور کارآمد ثابت ہوا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ نصاب آج بھی اپنی سابقہ افادیت کے ساتھ عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کر پا رہا ہے؟

آج مدارسِ اسلامیہ کا نصابِ تعلیم تبدیلی اور عدمِ تبدیلی کے نازک مرحلے میں کھڑا ہے۔ سنجیدہ اہلِ فکر جب اس مسئلے پر غور کرتے ہیں تو ان کے سامنے بالعموم دو بڑے فکری زاویے آتے ہیں:

1. نصابِ تعلیم میں تبدیلی اور تجدید کی ضرورت۔
2. طریقۂ تدریس میں اصلاح اور جدید اسالیب کا اختیار۔

نصاب میں تبدیلی کے قائلین کا موقف یہ ہے کہ مدارسِ اسلامیہ میں آٹھ سے دس سالہ طویل تعلیمی سفر طے کرنے کے باوجود، چند استثنائی طلبہ کو چھوڑ کر، فارغین کی اکثریت میں وہ علمی پختگی، فکری بالیدگی اور عملی صلاحیت نمایاں نہیں ہو پاتی؛ جو اس قدر طویل محنت کا فطری اور لازمی نتیجہ ہونا چاہیے۔ نہ زبان پر مطلوبہ گرفت، نہ تحریر میں روانی وتاثیر، اور نہ ہی اپنے مافی الضمیر کو واضح اور مؤثر انداز میں بیان کرنے کی صلاحیت۔ یہ وہ کمزوریاں ہیں جن کی شکایت خود مدارس کے اندر بھی سنائی دیتی ہیں۔

یہ صورتِ حال اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ، کہیں نہ کہیں کوئی ایسی رکاوٹ ضرور موجود ہے، جو اساتذہ اور طلبہ، دونوں کی محنت کو پوری طرح بارآور نہیں ہونے دے رہی۔ چناں چہ اس نقطۂ نظر کے حاملین کے نزدیک نصاب میں مناسب اور مدبرانہ تبدیلی ناگزیر ہو چکی ہے، تاکہ مدارس کے طلبہ جب اسکولوں، کالجوں اور عصری جامعات کے ماحول سے روبرو ہوں تو احساسِ کمتری میں مبتلا نہ ہوں، اور نہ ہی انہیں جدید تعلیم یافتہ طبقے کے سامنے جھجک یا ذہنی دباؤ محسوس ہو۔

یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے، جب قدیم اور مستند علمی سرمایہ کو برقرار رکھتے ہوئے، نصاب میں چند نئی، عصری اور مفید کتابوں کا اضافہ کیا جائے، جدید زبان و بیان کو جگہ دی جائے اور اظہار کے ایسے اسالیب سکھائے جائیں جو موجودہ فکری فضا میں مؤثر ثابت ہوں۔

طریقۂ تدریس میں تجدید کی ضرورت۔

دوسرا فکری زاویہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ اصل مسئلہ نصاب نہیں بلکہ طریقۂ تدریس ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق مدارس کا موجودہ نصاب اپنے اندر وافر علمی وسعت اور فکری گہرائی رکھتا ہے، مگر اسے پڑھانے کے اسالیب فرسودہ ہو چکے ہیں۔ اگر انہی کتابوں کو جدید تعلیمی طریقوں، مکالماتی اسلوب، تنقیدی فکر اور عملی مشق کے ساتھ پڑھایا جائے تو نتائج یکسر مختلف ہو سکتے ہیں۔

اس کی ایک معاصر مثال جاوید ملحد اور شمائل ندوی کے درمیان ہونے والے مناظرے سے سامنے آتی ہے۔ شمائل ندوی نے وہی عقلی و کلامی اصطلاحات استعمال کیں جو صدیوں سے ہمارے دینی نصاب کا حصہ رہی ہیں، مگر فرق صرف زبان اور اسلوب کا تھا۔ انہوں نے انہی مباحث کو انگریزی زبان اور جدید فکری قالب میں پیش کیا، جب کہ ہمارے مدارس میں وہی مضامین، عربی اصطلاحات کے ساتھ روایتی انداز میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ، مسئلہ مواد کا نہیں بلکہ اسلوبِ بیان کا ہے۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ، قدیم علمی اصطلاحات کو محفوظ رکھتے ہوئے انہیں جدید اور عصری زبان میں پیش کرنے کی مشق کرائی جائے، تاکہ ایک طرف ہم جدید ذہن کے حامل افراد سے مؤثر مکالمہ کر سکیں، اور دوسری طرف یہ احساس بھی باقی نہ رہے کہ، ہماری علمی روایت عصرِ حاضر میں ناقابلِ فہم یا غیر مؤثر ہو چکی ہے۔

یہ بات بھی نہایت قابلِ توجہ اور لائقِ التفات ہے کہ ہمیشہ مشقِ ستم اور ہدفِ تنقید مدارسِ اسلامیہ، وہاں کا نصاب اور وہاں کے فارغین ہی بنتے ہیں، اور پھر ساری توقعات کا بوجھ بھی انہی کے کندھوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ یہی لوگ امامت کریں، یہی مدارس سنبھالیں، یہی یونیورسٹیوں میں داخل ہوں، سائنس کے میدان میں نئی نئی ایجادات کریں، اور زندگی کے ہر شعبے میں آگے بڑھتے چلے جائیں!

جب کہ دوسری طرف اسکولوں اور کالجوں کے نہ تو نصاب کو ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے اور نہ ہی وہاں کے فارغین سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ، وہ دین کو صحیح معنوں میں سمجھتے ہوں گے، یا دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں گے۔

اگر مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی بات کی جاتی ہے بی اور کی جانی بھی چاہیے بی تو اسی اصول پر کم از کم اُن کالجوں اور یونیورسٹیوں کو بھی، جو خود کو اسلامی کہلاتی ہیں، اپنے نصاب کے تئیں حساس ہونے کی ضرورت ہے۔

ہم اس بات کے قائل نہیں کہ نصاب میں کوئی تبدیلی نہ ہو؛ بلکہ ہم خود چاہتے ہیں کہ تبدیلی ہو، مگر ایسی تبدیلی نہیں کہ اصل دینی فہم کی روح ہی باقی نہ رہے، یا وہ علمی مہارت اور فکری بصیرت پیدا نہ ہو سکے جس کے لیے مدارس قائم کیے گئے ہیں۔

ہر شخص یہ جانتا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی اولاد کو مدرسے میں داخل کرتا ہے تو اس کا اولین مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ دین کو سمجھے، دین کا رہبر اور رہنما بنے۔ اس کے علاوہ وہ نہ کسی اور توقع کا بوجھ ڈالتا ہے اور نہ کسی اور میدان کی شرط عائد کرتا ہے۔

لہٰذا جس قدر توقعات اور امیدیں عوام، مدارس اور ان کے نصاب سے وابستہ کرتے ہیں، اس پر اہلِ مدارس نہ صرف پورا اترنے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ بڑی حد تک پورا اتر بھی رہے ہیں۔

اس کے بعد مزید ہم سے آخر اور کیا مطلوب ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ، نصاب میں تبدیلی ہو یا طریقۂ تدریس میں اصلاح۔ یہ دونوں زاویے اپنی جگہ نہایت اہم اور سنجیدہ غور و فکر کے متقاضی ہیں۔ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ جذباتی ردِ عمل یا اندھی تقلید کے بجائے خلوص، بصیرت اور اجتماعی مشاورت کے ساتھ ایک ایسا متوازن لائحۂ عمل اختیار کیا جائے جو مدارسِ اسلامیہ کی علمی روایت کو بھی محفوظ رکھے اور انہیں عصرِ حاضر کے فکری چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کے قابل بھی بنائے۔ اگر یہ کام دانش مندی سے انجام دیا گیا تو یقیناً مدارسِ اسلامیہ مستقبل میں بھی علم و ہدایت کے مضبوط مراکز بنے رہیں گے۔

اوراق گمگشتہ

انک لاتھدی من احببت کا حقیقی مفہوم

غزالی زماں علامہ سعید احمد کاظمی علیہ الرحمہ

نبوت اور رسالت کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ پہلے ہم نبوت ورسالت کے حقیقی مفہوم سے ذہن کو آشنا کرلیں۔

نبوت ورسالت میں فرق:

اصطلاح سے قطع نظر ہر نبی رسول ہے۔ اصطلاح کی قید اس لئے لگائی کہ اصطلاح میں رسول اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئی شریعت لے کر آئے، پس اصطلاح سے قطع نظر ہر نبی، رسول یعنی پیغمبر ہوتا ہے، کوئی نبی ایسا نہیں جو خدا کا پیغام نہ لائے، ہر نبی خدا کا پیغام لانے والا اور رسول ہوتا ہے۔ لیکن ہر رسول کا نبی ہونا ضروری نہیں، اس لئے کہ نبی انسانوں کے لئے خاص ہے، نبی انسانوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا اور رسول عام ہے، جیسا کہ رسول ملائکہ میں بھی ہیں اور جنوں میں بھی ہیں، جیسے حضرت جبرائیل اللہ، حضرت میکائیل اللہ رسول تو ہیں لیکن نبی نہیں، پس جو انسانوں میں سے نہ ہو اور اس کو رسالت دی جائے وہ رسول تو ہے مگر اس کو نبی نہیں کہتے۔ شاید کوئی سمجھے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہو وہ رسول ہوتا ہے اور نبی ہوتا ہے، تو یہ غلط ہے کیونکہ وحی تو ایک تیز اشارے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے اشارات انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات کی طرف بھی فرمائے اور انسانوں میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دیگر لوگوں کے بارے میں بھی اشارات فرمائے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّكَ مَا يُوحَى (طه: ۳۸)

جب ہم نے غیبی اشارہ سے آپ کی والدہ کو وہ بات سمجھائی جس کی وحی آپ کو کی جارہی ہے۔

اب یہاں دیکھئے قرآن کریم سے ثابت ہورہا ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ اللہ کی والدہ کی طرف وحی ہوئی لیکن عورت نبی نہیں ہو سکتی۔ نبوت تو صرف مرد انسانوں کے لئے ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا **فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا**۔ (مریم: ۱۷ تا ۱۹)

اب دیکھئے کہ وہ رسول یعنی حضرت جبرائیل اللہ ایک بشر کامل کی شکل میں متشکل ہوئے جب حضرت مریم اللہ نے ان کو شکل بشر میں دیکھا تو سمجھا کہ واقعی یہ کوئی بشر ہے، وہ مقدسہ بندی تھیں فوراً پناہ مانگی اور کہا اگر تم متقی ہو تو مجھ سے فوراً دور اگر تم ہو تو ہو جاؤ اس نے کہا اس کے سوا میں کچھ بھی نہیں کہ آپ کے رب کی طرف سے قاصد ہوں اور آپ کو رب کی طرف سے ایک پاک بیٹا دینے آیا ہوں۔

یہاں جبرائیل اللہ نے جب یہ بات فرمائی تو متکلم کے صیغے کے ساتھ بیان کی کہ میں تم کو ایک بیٹا دینے آیا ہوں حالانکہ بیٹا دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معطی حقیقی یعنی حقیقت میں عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا بندہ کسی کو کچھ عطا کرتا ہے تو وہ ان کی تعالیٰ کے اذن سے دیتا ہے اس لئے جبرائیل اللہ نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بیٹا دینے آیا ہوں اس کے علاوہ دیگر ملائکہ کو بھی ان کی تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کی طرف بھیجا اور ان کو شرف مکالمہ سے نوازا اور فرشتوں نے ان کے ساتھ

باتیں کیں۔

شہد کی مکھی کو وحی:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا: وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا (النحل: ۲۸) وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور اُن چھروں میں، جنہیں لوگ اُونچا بناتے ہیں۔"

اب دیکھئے یہاں قرآن کریم بتا رہا ہے کہ اللہ تعالی نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی لیکن یہاں نبوت کا تصور بھی نہیں، بہر حال یہ سمجھنا کہ جس کی طرف بھی وحی ہو جائے وہ نبی یا رسول ہے، غلط ہے، پس نہ فقط وحی سے اور نہ جبرائیل اس کے آنے سے نبوت ملتی ہے کہ جبرائیل اللہ تو حضرت مریم اللہ کے پاس آئے ہیں، نبوت تو ایک اور چیز ہے یہ تو ان کی تعالی کا انعام ہے جو ان سب چیزوں سے الگ ہے۔ اب پہلے میں نبوت اور رسالت کے وہ معنی جو انسانوں کے حق میں ہیں بیان کر دوں کیونکہ اس وقت ملائکہ کی رسالت سے گفتگو نہیں بلکہ انسانوں کی نبوت اور رسالت کا بیان ہے۔

نبوت کی تعریف:

نبوت کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقدس و مطہر اور پاک بندے پر ایسی وحی نازل فرمائے کہ اس کلام وحی یا خطاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم اس کے ذمہ عائد ہو جائے یا اس پر کسی چیز کو واجب کر دیا جائے اور وہ چیز پہلے اس پر واجب یا ضروری نہ تھی اب واجب اور ضروری ہو گئی پس جس مقدس بندے کو ان الان تعالی فرشتے کے واسطے سے یا واسطے کے بغیر اپنا کوئی ایسا پیغام دے یا کوئی ایسا خطاب کرے یا کوئی ایسی وحی فرمائے کہ جس وتی، خطاب یا تکلم کی وجہ سے اللہ تعالی کے اس بندہ پر وہ چیز جو پہلے اس پر واجب نہ تھی اب فرض، واجب اور لازم ہو گئی۔ یہ کلام، یہ وحی اور اللہ ﷺ کے اس بندے کا اس لازمی امر کے لئے مامور ہونا نبوت ہے اور یہ بات سوائے نبی کے کسی اور کے لئے ثابت نہیں ہو سکتی۔

فقط اللہ تعالیٰ کا مخاطب ہونا نبوت نہیں

فقط اللہ تعالیٰ کا مخاطب ہوتا نبوت نہیں ملائکہ کے ذریعے اللہ تعالی کا تخاطب اپنے بندوں کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کے بارے میں ارشاد فرمایا لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (یونس: ۲۳)

یعنی ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا میں اور آخرت میں بھی، اس بشارت کی تفسیر حدیث میں یوں کی گئی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا مومن اور بالخصوص مومن صالح اور اللہ تعالیٰ کا مقرب محبوب، جب اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا، موت کو پسند نہ کرنا انسان کی جبلت میں ہے، اس حدیث قدسی میں جس میں کہا گیا ہے کہ میں اپنے بندے کے کان ہو جاتا ہوں، آنکھیں، ہاتھ اور پاؤں ہو جاتا ہوں، یہ طویل حدیث ہے، اس کے آخر میں ہے **وما ترددت عن شيء انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن یکره الموت وانا اکره مساءته وفی بعض النسخ ولا بدله منه (1)**

اور میں توقف نہیں کرتا کسی شے میں جیسے میں کرنے والا ہوں، مثل میرے توقف کے مومن کی جان قبض کرنے سے کہ وہ (بحکم طبیعت) موت کو ناخوش رکھتا ہے اور میں اس کے غمگین ہونے کو ناپسند رکھتا ہوں اور بعض نسخوں میں ہے کہ حال یہ ہے کہ بندے کو موت سے چارہ نہیں، اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا۔

یعنی میں کسی کام میں جو کہ میں کرنا چاہتا ہوں، دیر نہیں کرتا اور کبھی اتنی تاخیر نہیں فرماتا جتنی دیر اس مومن کی موت کو واقع کرنے میں کرتا ہوں اس لئے کہ وہ موت کو پسند نہیں کرتا اور میں اس کے موت کے پسند نہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں اور مجھے اس بندے کی ملاقات بڑی محبوب ہوتی ہے، پھر انجام کیا ہوتا ہے؟ یہ بات اگر کسی کے ذہن میں آجائے تو میرا مدعا بھی حل ہو جائے۔

مومن کو مرتے وقت بشارتیں۔

جب اللہ تعالیٰ کا بندہ موت سے کراہت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس وقت اپنی حکمت بالغہ سے کام لیتا ہے اور جانتا ہے کہ میرا بندہ موت کو طبعا پسند نہیں کرتا تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے فرشتے بھیجتا ہے اور

وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے اس بندے کے سامنے اللہ تعالی کی طرف سے بشارتیں لے کر آتے ہیں پس جو اعزاز و اکرام، راحتیں اور لذتیں اللہ تعالی کے یہاں اپنے بندے کے لئے نازل ہوتی ہیں تو ان بشارتوں کو دیکھتے ہی اس بندے کی طبعی کراہت ختم ہو جاتی ہے اور اس میں اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے اور مسرور ہو کر مسکراتا ہے۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چون مرگ آید تبسم برلب اوست

پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور صالحین پر فرشتے بشارتیں لاتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ فرشتوں کے واسطے سے تخاطب فرماتا ہے مگر اس کے باوجود وہ بندے انی لای تعالیٰ کے نبی نہیں ہوتے ۔ نبوت کا مقام اس سے بہت بلند ہے اور صرف ایسا تخاطب نبوت نہیں ہوتی ، پس جو اللہ تعالی کا مامور و اور اللہ تعالی اسے اپنی وحی اور پیغام کے سے حصہ سوم ذریعے بالواسطہ یا بلا واسطہ مخاطب فرمائے اور مامور فرمائے تو وہ نہیں ہے، ورنہ وہی تو شہد کی مکھی کی طرف بھی کی گئی اور حضرت موسیٰ اللہ کی والدہ کی طرف بھی کی گئی۔ اگر یہ بات ذہن نشین کر لی جائے تو بہت سی گمراہیوں سے نجات حاصل ہو سکتی ہے اور نبوت کا جو معنی اور مفہوم میں نے عرض کیا ہے اگر اس کو ذہن نشین رکھا تو اگلی بات اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔

حضور ﷺ پر نبوت ختم ہے۔ اس کا منکر کافر اور مرتد ہے

یہ بات تو سب مسلمان جانتے ہیں کہ نبوت حضرت آدم ال سے شروع ہوئی اور حضور ﷺ پر ختم ہو گئی ، یہ کوئی عالم ارواح کی بات نہیں، یہاں کی بات ہے اور یہ مسئلہ ضروریات دین سے ہے اس پر ایمان لانا شرط ہے کیونکہ جو حضور اکرم ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتا وہ مرتد اور کافر ہے، پس حضور خاتم الانبیاء ہیں اور آپ ﷺ کے بعد قیامت تو کیا ابد تک کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔

اب وہ لوگ جنہوں نے ختم نبوت کے متعلق ایسی باتیں شروع کر دیں کہ جن میں نہ کوئی عقلی بات ہے اور نہ دلائل ان کی یہ باتیں دلائل اور سمعیات وغیرہ سب سے عاری ہیں۔ ہیں۔ غلط تو جیہات اس انداز سے کی گئی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں کس طرح باطل کو حق کا لباس پہنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

حضور اکرم نے فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں، پس آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا لیکن فرقہ مرتدہ مرزائیہ کہتا ہے کہ تشریعی نبوت ختم ہوئی ہے اور جو نبوت تشریعی نہیں ہے وہ ختم نہیں ہوئی وہ چلے گی ۔لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

تشریعی نبوت اور قادیانیت کا دروغ بے فروغ آج تک تشریعی نبوت کا کوئی واضح مفہوم یہ لوگ نہ بتا سکے، جو تشریعی نبوت حصہ سوم کی آڑ لے کر ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں ہم نے کہا کہ نبوت تشریحی کا مفہوم تو بتاؤ کہ وہ کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ جس نبوت میں احکام نازل کئے جائیں وہ نبوت تشریعی ہے اور جس میں احکام نہ ہوں وہ غیر تشریعی ہے۔ اللہ تعالی کی طرف سے احکام کی آمد ختم ہو گئی، پس جس نبوت میں احکام نہ ہوں وہ نبوت چلے گی ہم نے پوچھا کہ احکام کی تشریح کیا ہے؟ انہوں نے کہا حکم کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز پر کسی کو ضروری اور لازمی قرار دینا جو چیز میں پہلے لازمی اور ضروری تھیں ان سے رعایت دینا۔

ہم نے کہا کہ پھر تو غیر تشریعی ہرگز کوئی نبوت نہیں، نبوت تو ہوتی ہی وہ ہے جو تشریحی ہو اور جس میں کوئی حکم نہ ہو وہ تو نبوت ہی نہیں، اب تک میں آپ کی خدمت میں نبوت کا جو مفہوم واضح کرنا چاہتا تھا اس کا مطلب اور مقصد یہی تھا کہ جب اللہ تعالی وحی فرمائے اور اس وحی کے نتیجے میں احکام مرتب ہوں وہ نبوت ہے۔ محض وحی کا نزول نبوت ثابت نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ نبوت کی دو قسمیں کرنا غلط ہے کیونکہ جب نبوت کے معنی ہی یہی ہیں کہ جہاں حکم ہو وہاں نبوت ہے اور جہاں حکم نہیں وہاں نبوت نہیں، اب جس غیر تشریعی نبوت کا تم ڈھنڈورا پیٹتے ہو وہ تو کوئی نبوت ہی نہیں، اس کو نبوت کہنا غلط ہے۔

دیکھئے میں چاہتا ہوں کہ اس انداز سے بات کہوں کہ کسی کا ذہن الجھنے نہ پائے ، ن اچھے میں نے اب تک جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی حکم جب کسی بندے کو فرشتے کے واسطے سے یا واسطے کے بغیر دے یہی نبوت ہے۔

اب ایک تو ہے نبوت اور ایک ہے فیضان نبوت نبوت تو حضور ﷺ پر ختم ہوا گر فضاء گئی اور فیضان نبوت جاری رہے گا کیونکہ

اگر فیضان نبوت کا دروازہ بھی بند ہوجائے تو پھر نبی کا فیض کسی تک نہیں پہنچ سکتا۔ پس وہ فیضان نبوت، جو باقی ہے اس کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مبشرات سے تعبیر فرمایا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجزائے نبوت سے تعبیر فرمایا،

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اجزائے نبوت کہا تو وہ تو نبوت سے متعلق ہیں پھر تو نبوت باقی ہوئی۔

تو سنیئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کولم یبق من النبوۃ الا المبشرات (1)

یعنی نہیں باقی رہی نبوت سے کوئی چیز مگر مبشرات، ہم اسے نبوت کا جز ومجازاً کہتے ہیں اور اصل یہ مبشرہ ہے، اگر یہ ہی نہ ہوتو دنیا میں کوئی فیوض وبرکات نہ پھیلیں۔

اگر محض بچے خوابوں کا نام نبوت رکھ دیا جائے تو پھر وہ کون سے مسلمان ہیں۔ جس کو کبھی سچا خواب نہ آئے، اس طرح تو ہر مسلمان نبی ہوجائے گا کیونکہ ہر مسلمان کو کبھی نہ کبھی سچا خواب آ ہی جاتا ہے۔ اللہ تعالی آدمیوں کو سوتے ہوئے مبشرات دے دیتا ہے اور فرشتوں کے ذریعے جاگتے ہوئے بھی دے دیتا ہے پتا چلا کہ مبشرات کے معنی نبوت نہیں، مبشرات تو درحقیقت فیضان نبوت ہے اور یہ جاری ہے۔

مرزا قادیانی کی ایک اور غلط بیانی:

نبوت کا ظل بھی فیضان نبوت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل ہے اور اس ظل کو نبوت سے تعبیر کرنا بظاہر نبوت پر ظلم ہے بلکہ اپنے آپ پر ظلم ہے کہ کفر میں پڑنا ہے دراصل یہ لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں کیونکہ مرزا قادیانی نے تو تشریعی نبوت کا دعوی کیا ہے اور اس کو حقیقی نبوت کہتے ہیں مرزا قادیانی نے اس حقیقی نبوت کا دعوی کیا کیونکہ اس نے بار بار کہا کہ میں خدا کا مامور ہوں اور یہاں تک کہ اس نے اپنے نہ کو خارج از اسلام سمجھا پتا چلا کہ اس نے ماموریت قطعیہ کا دعوی کیا اور اس ماننے والوں کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے جب اس کے دعوے کے مطابق اس پر ایمان نہ لانا کفر کا سبب ہے۔

(1) مشکوۃ شریف ص ۳۹۴

حصہ سوم تو ایمان وکفر کے مسئلہ میں کم از کم ایک حکم کا اضافہ تو ہو گیا اب تک تو کہتے تھے کہ یہ غیر تشریعی نبی ہے جب ایک حکم بھی ثابت ہوگیا تو یہ دعوی تو باطل ہوگیا۔

مفہوم رسالت؛

نبوت اور رسالت مفہوم اور معنی کے لحاظ سے رسل بشر کے حق میں یکساں ہیں، نبوت کے ساتھ ساتھ رسالت کے مفہوم کو بھی عرض کرتا ہوں کہ رسالت ایک تعلق اور ربط کا نام ہے اگر وہ ربط نہ ہوتو رسالت کا کوئی مفہوم نہیں، وہ ربط ایک علمی، عملی اور باطنی تعلق ہے، جسے ہم نبوت سے تعبیر کرتے ہیں اگر نبی یا رسول کا کوئی معنوی ربط مرسل الیہ کے ساتھ نہ ہوتو اس رسول کی رسالت کے کوئی معنی نہ بنیں گے اور اس رسول کا ہونا مرسل الیہ کے لئے بالکل بے معنی ہوگا۔

رسول کے معنی یہ ہیں کہ جس کی طرف وہ رسول بن کر آیا، اس سے ایک اندرونی نسبت ہے، جس سے نبی کا فیض پہنچ رہا ہے، اب اگر وہ قبول کرے تو خوش نصیب ہے اور جو نہ کرے وہ بدبخت ہے، سورج تو سب پر پھیلا ہوا ہے، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ ہم پر بھی روشن ہے اور ایک نابینا ہے اس پر بھی سورج کی روشنی ہے لیکن وہ نہ دیکھ سکے گا، اب سورج کی شعاعوں نے تو نابینا سے رابطہ قائم کرلیا لیکن اس کی آنکھوں میں نور نہیں، وہ نور کے بغیر نور سے کس طرح رابطہ قائم کرسکتا ہے اور وہ سورج کی روشنی سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

اب سمجھ لو کہ رسالت کا آفتاب طلوع ہوا تو اس کا نور ہر طرف پھیلا ہوا تھا یہ روشنی اور یہ اجالا سیدنا صدیق اکبر ہے پر بھی پڑ رہا تھا اور ابوجہل پر بھی پڑ رہا تھا ابوجہل چونکہ خود نور سے محروم تھا اس لئے آفتاب رسالت سے کوئی رابطہ نہ پیدا کرسکا اور کچھ حاصل نہ کر سکا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ آفتاب زمین کے لئے ہے مگر آفتاب کی کوئی شعاع زمین کے فلاں حصے پر نہیں پڑتی تو یہ غلط ہے کیونکہ آفتاب جب چمکتا ہے تو اس کی شعاعیں ہر چیز پر پڑتی ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی چیز میں آفتاب کی شعاعوں سے مستفید ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہو۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ آفتاب نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

عالموں کا رسول اور نور ہونا تب صحیح ہوگا جبکہ حضور ﷺ کے نور رسالت کی شعاعیں ہر عالم کی ہر چیز پر پڑ رہی ہوں آپ یقین جانیئے کہ حضور ﷺ کے نور رسالت کا پرتو تو ہر عالم کے ہر ذرے پر پڑ رہا ہے اور ہر عالم کا ہر ذرہ میرے آقا ﷺ کے تحت رسالت ہے تو آپ کا تعلق عالم کے ہر ذرہ ذرہ سے ہے، جب میرے آقا تمام عالموں کے رسول ہیں تو یہ آپ کا ہر چیز کے ساتھ علمی اور عملی رابطہ قائم ہے۔ رسالت میں ارتباط ہے اور رابطہ قائم ہونا حضور کے حاضر و ناظر اور تمام کائنات کے عالم ہونے کا مفہوم ہے اگر آپ کا تعلق عالم کے ہر ذرہ سے نہیں اور رابطہ نہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ آپ عالمین کے کیسے رسول ہیں؟ ارے حضور ﷺ جس کی طرف رسول بن کر آئیں وہ تو رسول کو پہچانے عالم کی ہر چیز تو رسول کو پہچان لے اور حضور ﷺ کو پتا نہ ہو۔ (معاذ اللہ)

ایک مرتبہ بہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک گوہ لائی گئی، آپ انے پوچھا میں کون ہوں، اس نے کہاانت رسول رب العلمین و خاتم النبین (1) ارے گوہ تو حضور ﷺ کو پہچان گئی اور حضور ﷺ کو علم نہ ہو۔ امت کو تو علم ہو اور رسول کو علم نہ ہو۔ (نعوذ باللہ)

پس جب اٹھارہ ہزار عالم کے آپ ﷺ رسول ہیں تو اٹھارہ ہزار عالم کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جو مصطفیٰ ﷺ کے دامن میں نہ ہو۔ میں اپنے کلام کو سمیٹ کر اس کا یہ حصہ

(1) الوفابا حوال المصطفیٰ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور ص ۳۸۶، دلائل النبوہ مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۹۷۷ ص ۲۲

بیان کرتا ہوں کہ نبی کی نبوت اور رسالت ایک علمی اور عملی تعلق ہے۔ اگر رسول اپنے مرسل الیہ کے ساتھ علمی اور عملی تعلق نہ رکھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول نہیں ہیں، حضور چونکہ تمام عالموں کے لئے رسول ہیں، لہذا کائنات کا کوئی ذرہ نہیں کہ جس کو حضور ﷺ کی علمی اور عملی نسبت سے تعلق نہ ہو۔

علمی رابطہ سے مراد ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اپنی حقیقت میں حضور کو پہچانتا ہے اور عملی رابطہ و نسبت سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے وجود بقا میں حضور ﷺ کا محتاج ہے اگر حضور کے نور مبارک (جو واسطہ تخلیق ہے) سے اس کا رابطہ کٹ جائے تو اس ذرہ کا وجود نیست ہو جائے۔ پس اب اگر زبان سے تو نبی اور رسول کہے جاؤ لیکن نبی اور رسول کے جو معنی ہیں ان کو ذہن ہی میں نہ آنے دو اور اس سے بے خبر رہو تو یہ تو بالکل غلط ہے۔

ایک سوال

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ ہم نماز میں کہتے ہیں اھْدِنَا الصِراطَ المستَقِیم " اے اللہ ہم کو سیدھی راہ دکھا، سیدھی راہ دکھانے سے مراد ہدایت کرنا ہے اور سیدھی راہ دکھانے والا اللہ تعالیٰ ہے تو پھر انبیاء علیہم السلام کے ہادی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا نبی ہدایت نہیں دے سکتا؟

اس شبہ کے متعلق عرض ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھاتا ہے لیکن انبیا علیہم السلام کے ذریعے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد: 4) یعنی ہر قوم کے لئے ہادی ہوتا ہے یہاں ہادی سے مراد نبی ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (الشوری: ۵۲) یعنی میرے حبیب بلاشبہ سیدھے راستے کی طرف تو تو ہی ہدایت کرتا ہے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ کا مفہوم:

اب آپ کہیں گے کہ اگر ایسی بات ہے تو پھر قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کا کیا مطلب ہے کہ

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ (القصص: ۵۲) یعنی "اے حبیب! تو جسے چاہے ہدایت نہیں دے سکتا، اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔"

ارے بھائی یہ بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر بھی کوئی نبی کچھ کرسکتا ہے؟ یہ تو ہزاروں مرتبہ ہم نے بتایا کہ نبی کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اذن کے بغیر نہیں کرتا، نبی جب کوئی ہدایت کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہو کر کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہدایت کرے گا تو کسی کی مشیت کے ماتحت ہوئے بغیر ہدایت فرمائے گا۔

پس آیت کا مقصد تو یہ ہے کہ میں کسی کی مشیت کے بغیر کسی کو ہدایت دے سکتا ہوں لیکن اے نبی تو میری مشیت کے ساتھ ہدایت کرے گا اور اگر میری مشیت نہ ہو تو ہدایت نہیں کر سکتا۔ اب اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو وہ اس آیت کا انکار کر رہا ہے جس میں فرمایا

إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

یعنی تحقیق بلا شبہ میرے حبیب لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت تو ہی کرتا ہے ارے اللہ تعالیٰ تو اتنی تحقیق کے ساتھ فرما رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تحقیق پر جسے یقین اور اعتبار نہ ہو تو اسے میری بات پر کیا یقین ہوگا لہذا اس آیت کا مطلب صاف اور واضحے کہ میرے پیارے حبیب ﷺ میری ہدایت میری مشیت کے تحت ہے اب ایک بات اہل علم کے لئے کہے دیتا ہوں کہ ہدایت کا لفظ جب قرآن وحدیث میں استعمال ہو تو اہل سنت کے نزدیک اس کے حقیقی اور شرعی معنیٰ "خلق الاھتداء یعنی ہدایت کو خلق کرنے کے ہیں اور فرقہ معتزلہ کے نزدیک اس کے معنیٰ ہیں" بیان الطریق الصواب یعنی ٹھیک راستہ بتا دیا، تو اس لحاظ سے معتزلہ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کا مطلب لیتے ہیں کہ ہر قوم کے لئے سیدھا راستہ بتانے والا۔

ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ یہ معنیٰ بھی ٹھیک ہیں، مگر یہی معنیٰ کئے جائیں تو آیت إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ" کے معنیٰ ہوں گے کہ اے نبی تو جس کو محبوب رکھے اس کے سامنے صحیح راستہ بیان نہیں کر سکتا، ہاں اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے صحیح راستہ بیان کر دے تو یہ آیت معتزلہ کے ان معنیٰ الکل قَوْمٍ هَادٍ) یعنی ہر قوم کے لئے سیدھا بتانے والا، کو رد کرتی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا کام تو صحیح راستہ بتانا ہی ہے، جس کی یہاں نفی ہو رہی ہے تو ثابت ہوا کہ اہلسنت کے معنیٰ درست ہیں۔

خلق الاھتداء اہل سنت کا عقیدہ ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی تو ہدایت کی صفت خلق نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے خلق کر دے، پس معلوم ہوا کہ خلق کرنا حضور نبی کریم ﷺ کی صفت نہیں، یعنی ہدایت کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس کو چلانا حضور ﷺ کا کام ہے جو کام حضور کا نہیں اس کے نہ کرنے سے نہ تو حضور ﷺ کے علم میں کمی آئے گی، نہ اختیارات میں اور نہ مرتبہ میں، حضور ﷺ کا کام تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر لوگوں کو چلانا ہے اب اگر کوئی اعتراض کرتا ہے کہ فلاں شخص کو حضور ﷺ نے ہدایت نہ دی تو یہ اعتراض اللہ تعالیٰ پر کرے کہ اے اللہ تو نے ان کو ہدایت کیوں نہیں دی تو تو ہر چیز پر قادر ہے۔

ارے بھائی جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے ہدایت خلق ہی نہیں فرمائی، تو حضور ﷺ پر کیسے اعتراض آئے گا کہ آپ نے ان کو ہدایت نہ دی۔ حضور ﷺ کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی کام کسی کی مشیت کے ماتحت نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ (الدھر : ۳۰) اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔"

آیت "إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ" کے معنیٰ یہ نہیں کہ حضور ﷺ ہدایت نہیں دے سکتے اگر حضور ﷺ ہدایت نہیں دے سکتے تو آیت هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ یعنی وہ وہی ہے بھیجا جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ، کے کیا معنیٰ ہوں گے؟

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ اے میرے حبیب ﷺ خالق کائنات میں ہوں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا میں ہوں، عدم سے وجود میں لانے والا میں ہوں، ایجاد میری صفت ہے، موجد میں ہوں، اس لئے "خلق الاھتداء" یعنی ہدایت پیدا کرنا میری شان ہے، جس کے لئے میں نے اھتداء کو پیدا کر دیا، اس کے لئے اھتداء" کو جاری کرنے والا تو ہے، اس کا معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ آپ ﷺ ہدایت نہیں دے سکتے۔ بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ انك لا تخلق الاھتداء یعنی بے شک آپ ہدایت خلق نہیں کرتے "خلق الاھتداء" حضور ﷺ کا کام نہیں ہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ جن کے لئے میں نے علم ازلی کے مطابق ہدایت پیدا نہیں کی، ان کو میں ہدایت نہیں دوں گا، کیونکہ میرے علم کیخلاف کوئی ظہور ممکن نہیں، بتایئے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے علم کیخلاف ہو، کیا وہ ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں ہو سکتی تو جن لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو پیدا نہیں فرمایا، ان میں ہدایت کی استعداد نہ تھی، تو اب بتایئے کہ ان لوگوں کو ہدایت نہ ملنے کا الزام حضور ﷺ پر کیسے آ سکتا ہے؟

وما علینا الا البلاغ

□□□

استاذ الکملاء

برکۃ العصر حضرت مولانا شاہ محمد رحیم بخش آروی قدس سرہٗ

وصال ۱۳۴۳ ھجری

محقق اہل سنت مفتی محمود احمد رفاقتی علیہ الرحمہ

صوبہ بہار کا مشہور شہر آرہ، آپ کا وطن، جائے ولادت اور جائے سکونت اور جائے مدفن ہے، ریاست رام پور اور سہارنپور کے علماء اعلام سے درسیات پڑھیں، ریاست رام پور کے علامۂ اجل حضرت مولانا محمد فضل حق رام پوری سے برسوں فنونِ عالیہ میں اکتسابِ فیض کیا، آخر میں پھلواری شریف کی خانقاہ مجیبیہ میں خیر آبادی سلسلۂ علمی کے متبحر و مدقق علامۂ اجلِ علامہ سید عبد العزیز امروہوی کے تلمیذ خاص حضرت مولانا شاہ عبد الرحمن ناصری گنجی سے حدیث پاک کی چند کتابوں کا درس لیا، مولانا ناصری گنجی حضرت مولانا شاہ رضا علی نقشبندی قطبِ بنارس کے مخصوص و ممتاز مرید و خلیفہ تھے۔ ۱۳۱۸ ھجری میں دستار فضیلت بندھی، سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ انہوں نے ''پھلواری شریف ہی میں آپ سے فن منطق کی کچھ کتابیں پڑھیں، اسی برس میں انہوں نے پٹنہ میں منعقد مشہور اجلاسِ مجلس علمائے اہل سنت و جماعت میں شرکت کی۔

استاذ العصر مولانا رحیم بخش آروی سہارنپور میں پڑھتے تھے، وہاں امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی کی جلالتِ علمی کا شہرہ سنا تھا چنانچہ وہاں سے واپسی میں بریلی اتر پڑے، ان سے ملاقات کی تو گرویدگی ہوگئی۔ وہاں سے فیض یاب ہوکر وطن آئے حکیم عبد الوہاب الٰہ آبادی نے اپنے مدرسہ میں مدرس مقرر کر دیا، برسوں اس مدرسہ میں آپ نے درس دیا عرصہ کے بعد مسائل اور اعتقاد کے اختلاف کی وجہ سے آپ نے مدرسہ حنفیہ آرہ سے علیحدگی کر لی، اس کے بعد مدرسۂ فیض الغرباء قائم کیا، آرہ کے مشہور بزرگ صاحب ارشاد و اہتدا، حضرت حافظ شاہ محمد فرید الدین قادری آبادانی نے آپ سے تعاون کیا، تا زندگانی مدرسہ کے صدر المدرسین، اور مہتمم رہے، آپ کا درس بہت با فیض ہوا، آپ کے فیض تعلیم اور طریقۂ تربیت میں بڑے بڑے خادمانِ علم دین علماء تیار ہوئے۔ طلبہ پر ماں باپ سے بڑھ کر شفیق تھے، یہی حال آپ کے طلبہ کا بھی تھا، ہر برس دستار بندی کے جلسے ہوتے اکابر علماء کے مقدس ہاتھوں سے ان کی دستار بندی کراتے، یہ خاص خصوصیّت آپ ہی کے

مدرسہ کو حاصل تھی کہ دستار بندی کے جلسوں میں امام اہل سنت مولانا احمد رضا قدس سرہٗ خصوصیت سے ہر برس تشریف لاتے اور طلبہ کی دستار بندی کرتے سند اجازت پر دستخط کر کے عنایت کرتے، آپ کے ممتاز شاگردوں میں

★ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب

★ اُستاذ اجل مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب خلیفۂ مجاز فاضل بریلوی اور

★ مولانا شاہ ولی الرحمن علیمی رشیدی پوکھریروی علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

حضرت فاضل بریلوی کے آپ خاص خلیفۂ مجاز تھے، انہوں نے ۱۳۳۸ھجری میں اپنے منظوم رسالہ الاستمداد میں اپنے خاص احباب کے نام گنائے تو ایک شعر میں آپ کا بھی ذکر کیا۔

بخش رحیم پہ رحمت، جس سے
آرے کے نیچے آتے سے ہیں

حضرت آروی قدس سرہٗ تدریس و تذکیر کے ساتھ زبردست مناظر بھی تھے، اور مصنف بھی تھے، لیکن جستجوئے بسیار کے باوجود ایک تصنیف کا نام بھی معلوم نہ ہو سکا۔

آرہ ضلع کے علاقہ جات وہابیت کی شورش کے مراکز تھے، آپ کے وجود اور علم و فضل و تقدس کی وجہ سے اہل اسلام اہلِ سنت اس کی ضلالت سے محفوظ رہے، اپنے علاقۂ دیار میں آپ کی ذات مبارک مرکز علم و فضل اور مرجع عام و خاص تھی، سراپا خلق و مروت اور صاحبِ لطف علماء تھے۔ صاحب شرع و احسان اور اہل ورع و تقویٰ علماء، آپ کے فیض درس سے تیار ہوئے، اور ان سے بھی علوم کا فیضان جاری ہوا۔

آٹھویں شعبان المعظم ۱۳۴۳ھجری مطابق ۲۸/اپریل ۱۹۲۳ء کو آپ کی وفات ہوئی، آپ کی وفات کی تاریخ آپ کے پیر بھائی اور دوست ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی فاضلِ بہاری نے لکھی اور ریاست رام پور کے معروف اخبارِ ہفتہ روزہ دبدبۂ سکندریہ میں چھپوائی، صولت لائبریری رام پور کے ذخیرہ میں وہ اخبار راقم کی نظر سے گزرا اور اسی سے نقل لے لی وہ یہ قطعہ ہے ۔

مدرس، عالم و فاضل، مناظر، واعظ و مفتی
مصنف، حامیِ ملت، زدنیا، چوں باخریٰ رفت
زِ دلِ غمگین ظفر برجستہ، سنِ تاریخ رحلتِ او
ندا آمد ''بہارِ رونقِ دینی از آرہ رفت''
۱۳۴۳ھ

آپ کی وفات کا دن آرہ و سہسرام کے اطراف میں قیامت کا دن تھا، جس نے بھی سنا مغموم ہوا، مسلمانوں کے حلقوں میں آپ کی ذات کا تذکرہ تھا، دور دور سے جا جا کر لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے آپ کا جنازہ جس شان سے اُٹھا وہ مقبولِ خالق و خلق کا اعلان تھا، کثرتِ خلائق کا منظر صاف کہتا تھا کہ آپ خالق کے بندے اور خلق کے رہبر و رہنما تھے، آپ کے ورثاء آپ کے متشرع و متقی علماء کبار شاگرد تھے، جن کی آپ نے تربیت فرمائی۔

□□□

درود یہ سیرت نگاری کی رعنائیاں

خطبۂ فتاویٰ رضویہ کا تحقیقی و ادبی مطالعہ

■ پروفیسر دلاور خان
(السیرۃ ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ انسٹیٹیوٹ کراچی)

تعارف

جب عشق قلم کو چھوتا ہے تو لفظ درود بن جاتا ہے، اور جب درود علم کے آستانے پر اترتا ہے تو سیرت نگاری کا ایک نیا باب کھلتا ہے۔ سیرت شناس امام، احمد رضا خان بریلوی نے اسی نورانی نسبت کو اپنی علمی زندگی کی اساس بنایا۔ ان کے نزدیک سیرتِ رسول ﷺ محض واقعات کا تسلسل نہیں بلکہ انوارِ معرفت کا وہ بحرِ بیکراں ہے جس سے فقہ کو بصیرت، عقیدہ کو استحکام اور روح کو طمانیت ملتی ہے۔ چنانچہ جب وہ درود لکھتے ہیں تو یہ الفاظ کی ترتیب نہیں رہتی، بلکہ دل کی حضوری اور فکر کی بندگی کا اظہار بن جاتی ہے۔

بالخصوص فتاویٰ رضویہ کے خطبے میں درود یہ سیرت نگاری اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ یہاں القاباتِ نبوی، استعاراتِ بلیغہ، اور علمی اشارات اس انداز سے باہم پیوست ہیں کہ ہر لفظ حضور اکرم ﷺ کے کسی نہ کسی وصف و امتیاز مبارکہ کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔ کتب کے نام ہوں یا ائمہ و اکابر کے تذکرے، سب کو اس مہارت سے پرویا گیا ہے کہ وہ سیرت کے گلشن میں کھلتے ہوئے پھول محسوس ہوتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کی درود یہ سیرت نگاری کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے کتب اور شخصیات کے ناموں کو محض حوالہ یا تذکرہ کے طور پر پیش نہیں کیا، بلکہ انہیں فصاحت و بلاغت کے ایسے پیرائے میں پرویا کہ وہ خود خصائصِ نبوی کا روپ دھار لیتے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کی جلدِ اوّل کے خطبۂ درود یہ میں جب مختلف فقہی و علمی کتب کے نام آتے ہیں تو وہ الگ الگ عنوانات نہیں رہتے بلکہ حضور اکرم ﷺ کی شانِ جامعیت، بحرِ علمیت اور منبعِ ہدایت ہونے کی تمثیل بن جاتے ہیں۔ گویا ہر کتاب کا نام ایک استعارہ ہے اور ہر شخصیت کا ذکر ایک سیرتی وصف کی علامت۔

یہ اسلوب محض صنعتِ ترصیع یا لفظی حسن نہیں بلکہ ایک گہری فکری حکمت کا مظہر ہے۔ کتب کے نام جب "بحر"، "در"، "کنز"، "نور" اور "فتح" جیسے الفاظ کے ساتھ آتے ہیں تو وہ سب حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کے گرد معنوی ہالہ بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح ائمہ و اکابر کے اسماء جب ذکر ہوتے ہیں تو وہ سب فیضانِ نبوی کے مظاہر کے طور پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اس طرح اعلیٰ حضرت نے ناموں کو اوصاف میں، اور اوصاف کو سیرت میں ڈھال کر ایک ایسا بلاغی شاہکار تخلیق کیا جس میں علم، ادب اور عشقِ رسول ﷺ ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی وہ فنی و روحانی کمال ہے جو ان کی درود یہ سیرت نگاری کو منفرد اور لافانی بناتا ہے۔

خطبہ کا عربی متن:

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الإِمَامِ الأَعْظَمِ لِلرُّسُلِ الْكِرَامِ، مَالِكِي وَشَافِعِي أَحْمَدُ الْكِرَامُ يَقُولُ الحَسَنُ بِلَا تَوَقُّفٍ مُحَمَّدُ الحَسَنُ أَبُو يُوسُفٍ فَإِنَّهُ الأَفْضَلُ الْمُحِيطُ لِكُلِّ فَضْلٍ بَسِيطٍ وَوَجِيزٍ وَوَسِيطٍ، الْبَحْرُ الزَّخَّارُ وَالدُّرُّ الْمُخْتَارُ وَخَزَائِنُ الْأَسْرَارِ وَتَنْوِيرُ الْأَبْصَارِ وَرَدُّ الْمُحْتَارِ عَلَى مَنَحِ الْغَفَّارِ وَفَتْحُ الْقَدِيرِ وَزَادُ الْفَقِيرِ وَمُلْتَقَى الْأَبْحُرِ وَمَجْمَعُ الْأَنْهَارِ وَكُنُوزُ الدَّقَائِقِ وَتَبْيِينُ الْحَقَائِقِ وَالْبَحْرُ الزَّائِقُ، مِنْهُ يُسْتَمَدُّ كُلُّ نَهْرٍ فَوَائِقَ فِيهِ، الْمُنْيَةُ وَبِهِ الْغِنَى وَمَرَاقِي الْفَلَاحِ وَإِمْدَادُ الْفَتَّاحِ وَإِيضَاحُ الْإِصْلَاحِ، نُورُ الْإِيضَاحِ وَكَشْفُ الْمُضْمَرَاتِ وَحَلُّ الْمَشَاكِلِ وَالدُّرَرُ الْمُنْتَقَى وَيَنَابِيعُ الْمُبْتَغَى وَتَنْوِيرُ الْبَصَائِرِ وَزَوَاهِرُ الْجَوَاهِرِ الْبَدَائِعِ النَّوَادِرُ، الْمَنْزَهُ

وَجُوبًا عَنِ الأَشْبَاهِ وَالنَّظَائِرِ، مُغْنِي السَّائِلِينَ وَنِصَابُ الْمَسَاكِينِ الْحَاوِي الْقُدُسِيَ، كُلُّ كَمَالٍ قُدْسِي وَإِنْسِي، الْكَافِي الْوَافِي الشَّافِي الْمُصَفَّى الْمُصْطَفَى الْمُنْتَقَى الصَّافِي، عُدَّةُ النَّوَازِلِ وَأَنْفَعُ الْوَسَائِلِ لِإِسْعَافِ السَّائِلِ، بِعُيُونِ الْمَسَائِلِ عُمْدَةُ الْأَوَاخِرِ وَخُلَاصَةُ الْأَوَائِلِ.

وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَحِزْبِهِمْ صَابِيحَ الدُّجَى وَمَفَاتِيحَ الْهُدَى، لَاسِيَمَا الشَّيْخَيْنِ الصَّاحِبَيْنِ الْآخِذَيْنِ مِنَ الشَّرِيعَةِ وَالْحَقِيقَةِ بِكِلَا الطَّرَفَيْنِ، وَالْخُتَنَاءِ الْكِرَامِ كُلٌّ مِنْهَا نُورُ الْعَيْنِ وَمَجْمَعُ الْبَحْرَيْنِ، وَعَلَى مُجْتَهِدِي مِلَّتِهِ وَأَئِمَّةِ أُمَّتِهِ خُصُوصًا الْأَرْكَانِ الْأَرْبَعَةِ وَالْأَنْوَارِ اللَّامِعَةِ وَابْنِهِ الْأَكْرَمِ الْغَوْثِ الْأَعْظَمِ، ذَخِيرَةُ الْأَوْلِيَاءِ وَتُحْفَةُ الْفُقَهَاءِ، وَجَامِعُ الْفُصُولَيْنِ فُصُولُ الْحَقَائِقِ وَالشَّرِيعَةِ الْمُهَذَّبِ بِكُلِّ زِينَةٍ، وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ وَبِهِمْ وَلَهُمْ، يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، آمِينَ آمِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

ترجمہ:

درود وسلام ہو اس پر، جو تمام معزز انبیاء کے امامِ اعظم ہیں۔ وہی مالک ومختار، شافعِ جزا اور احمدِ مکرم ہیں۔ حسن کہتے ہیں کہ محمد ﷺ، یوسف کی طرح حسنِ سرمدی کے مالک ہیں، جو ہر فضیلت، چھوٹی بڑی، مختصر یا طویل، سب کچھ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ فصاحت کا بحرِ زخار، کمالات کا درِ مختار، خزائنِ اسرار اور روشنیِ ابصار ہیں۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس حیرت زدہ لوگوں کو اللہ غفار کی عطاؤں کی طرف پلٹاتی ہے، فقیروں کا زادِ راہ ہے، معرفت کے سمندروں کا سنگم اور فیوض کی نہروں کا منبع ہے۔ آپ ﷺ حقیقتوں کے روشن ترجمان، مسائل کے حل کنندہ اور دلوں کی روشنیاں ہیں۔ ہر لفظ آپ ﷺ کی کسی نہ کسی بلیغ صفت کا آئینہ دار ہے۔

آپ ﷺ سائلوں کے غنی، مسکینوں کے نصیب دار، اور تمام کمالاتِ انسانی وملکوتی کے جامع ہیں۔ آپ ﷺ کافی، وافی، شافی، مصفیٰ، مصطفیٰ، منتخب اور صاف ہیں۔ آپ ﷺ حوادثِ زمانہ میں سہارا، سائل کی حاجت کے لیے بہترین وسیلہ، اور پچھلے وآنے والے تمام دور کے لیے رہنمائی کا محور ہیں۔

عارف سیرت اعلیٰ حضرت کی درودیہ سیرت نگاری

درودیہ سیرت نگاری کا آغاز ہی درود وسلام سے ہوتا ہے، جو قلبی محبت اور عقیدت کی روشنی میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ آغاز قاری کو روحانی فضا میں لے جاتا ہے، جہاں علم ومحبت یکجا ہو کر سیرت کی بصیرت پیدا کرتے ہیں۔

فضائل کی جامعیت:

امام احمد رضا خان نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ ہر فضیلت کے لیے بحرِ محیط ہیں۔ علمی وروحانی اعتبار سے یہ اس بات کا اظہار ہے کہ آپ ﷺ کے کمالات کسی جزوی یا محدود درجہ میں نہیں، بلکہ تمام فضائل کا مجموعہ ہیں۔

فصاحت وبلاغت:

ہر لفظ استعارات، القاباتِ بلیغہ اور معنوی گہرائی سے مزین ہے۔ درودیہ سیرت نگاری میں یہ فصاحت اور بلاغت قاری کے ذہن ودل پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔

راز واسرار کا بیان:

خطبہ میں ذکر ہے کہ نبی اکرم ﷺ خزائنِ اسرار اور تنویرِ ابصار ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ درودیہ نگاری نہ صرف لفظی حسن بلکہ علم ومعرفت کے اسرار بھی ظاہر کرتی ہے۔

مشکل کشائی اور رہنمائی:

آپ ﷺ مشکلات کا حل، فیوض کا منبع اور مرادوں کا چشمہ ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سیرت نگاری قاری کے فکری اور روحانی مسائل کے حل کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔

بلیغ خصائصِ نبوی ﷺ کا آئینہ دار:

ہر لفظ، ہر استعارات اور ہر تذکرہ آپ ﷺ کے کسی نہ کسی بلیغ وصف کا مظہر ہے۔ کتب وشخصیات کے نام بھی سیرت میں جلوہ کرتے ہیں اور علم ومحبت کو فصاحت وبلاغت کے ساتھ پرودیتے ہیں۔

روحانی فیوض اور وجدانی اثر:

یہ درود اور سیرت نگاری قاری کو صرف مطالعہ کی دعوت نہیں بلکہ وجدانی اور روحانی تعلق میں مبتلا کرتی ہے۔ اس سے قاری کے قلب میں محبتِ رسول ﷺ کے انوار روشنی ڈالتی ہیں۔

سائل وفقیر کی مددگار شخصیت:

امام احمد رضا خان کے خطبہ میں بیان ہے کہ نبی ﷺ سائل و فقیر کے مغنی اور نجات دہندہ ہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ

سیرت نگاری انسانیت، ہمدردی اور رحمت کا بھی سبق دیتی ہے۔

علم وحکمت کا امتزاج:

درود یہ سیرت نگاری میں علمِ فقہ، عقیدہ اور تصوف کو محبتِ رسول ﷺ کے محور پر جمع کیا گیا ہے، جو علمی اور روحانی دونوں جہتوں کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔

کمالاتِ ملکوتی وانسانی کا جامع وجود:

خطبہ میں امام احمد رضا خان نے فرمایا کہ آپ ﷺ تمام کمالاتِ انسانی وملکوتی کے جامع ہیں۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ سیرت نگاری میں انسان کی تمام جہات، علمی و اخلاقی و روحانی، شامل اور مربوط ہوسکتی ہیں۔

اختتامیہ:

سیرت شناس امامِ اہلِ سنت، اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کی درود یہ سیرت نگاری کا ایک نہایت نادر اور منفرد پہلو یہ ہے کہ انہوں نے محض القابات واوصاف کی فہرست پیش نہیں کی، بلکہ کتبِ فقہ اور ائمہ وشخصیاتِ اسلام کے ناموں کو اس حسنِ ترتیب اور لطیف صنعت کے ساتھ اپنے درود یہ اسلوب میں سمو دیا کہ وہ سب کے سب حضور اکرم ﷺ کی صفاتِ عالیہ کے مظاہر بن گئے۔

یہ اسلوب محض صنعتِ تجنیس یا لفظی مناسبت نہیں، بلکہ ایک عمیق فکری اور روحانی شعور کا مظہر ہے۔ مثال کے طور پر فقہی ذخیرے کی جلیل القدر کتابیں جیسے الدر المختار، رد المحتار، فتح القدیر، کنوز الدقائق اور ملتقی الابحر بی ان سب کے نام جب خطبۂ درود میں وارد ہوتے ہیں تو وہ صرف کتابوں کے عنوان نہیں رہتے، بلکہ حضور ﷺ کی شان کے استعارے بن جاتے ہیں:

درّ المختار، گویا ذاتِ مصطفی ﷺ کمالات کا منتخب موتی ہیں۔

فتح القدیر، یعنی آپ ﷺ کے ذریعے ربِ قدیر کی معرفت کے دروازے کھلتے ہیں۔

کنوز الدقائق، کہ آپ ﷺ بارگاہِ حق کے دقیق اسرار کے خزانے ہیں۔

ملتقی الابحر، یعنی علوم ومعارف کے سمندر آپ ﷺ کی ذات میں آکر ملتے ہیں۔

اسی طرح فقہائے کرام اور ائمۂ اسلام کے اسمائے گرامی جب ذکر ہوتے ہیں تو وہ تاریخی تعارف سے بلند ہوکر سیرتی نسبت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یوں ایک ہی اسلوب میں درود، سیرت، فقہ، تاریخ اور علمی روایت سب جمع ہوجاتے ہیں۔ یہ اسلوب قاری کو دوہرا فائدہ دیتا ہے:

عشق وادب کی فضا میں سیرتِ مصطفی ﷺ کا مشاہدہ۔

یہ وہ مقام ہے جہاں امام احمد رضا خان کی سیرت نگاری محض روایتی بیانیہ نہیں رہتی، بلکہ علمی تہذیب کی نمائندہ بن جاتی ہے۔ ان کے قلم میں یہ ملکہ تھا کہ علمی اصطلاح کو روحانی لطافت عطا کردیں، اور فقہی عنوان کو محبتِ رسول ﷺ کی چاشنی میں ڈھال دیں۔

درحقیقت یہ تفرد دیگر سیرت نگاروں میں شاذ و نادر بلکہ عنقا ہے۔ اکثر سیرت نگار تاریخی ترتیب، روایتی حوالہ جات یا ادبی مرقع نگاری تک محدود رہتے ہیں؛ مگر یہاں ایک ہمہ گیر اسلوب سامنے آتا ہے جس میں:

فقہ، حدیث، تصوف، بلاغت، اور درود وسلام کی روحانیت یہ سب ایک سب ایک لڑی میں پروئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

یہ جامعیت اس بات کی دلیل ہے کہ امام احمد رضا خان نہ صرف سیرت شناس تھے بلکہ اسلامی علوم کے باہمی ربط اور مرکزیتِ مصطفی ﷺ کے عمیق شعور سے بھی بہرہ مند تھے۔ ان کے نزدیک تمام علوم کا منبع ومرجع ذاتِ مصطفی ﷺ ہے، اس لیے انہوں نے علمی کتابوں کے نام بھی اسی مرکزِ نور کے گرد گردش کرتے ہوئے دکھائے۔ یوں ان کی درود یہ سیرت نگاری محض نعتیہ اظہار نہیں بلکہ ایک فکری اعلان ہے کہ:

اسلامی علوم کی تمام نہریں اسی بحرِ مصطفی ﷺ سے پھوٹتی ہیں اور اسی کی طرف لوٹتی ہیں۔ یہی وہ انفرادی شان اور ادبی و روحانی کمال ہے جس نے امام احمد رضا خان کی سیرت نگاری کو ایک مستقل مکتبِ فکر اور فنی روایت کی صورت عطا کی بی جہاں علم بھی ہے، عشق بھی؛ فقہ بھی ہے، معرفت بھی؛ اور ادب بھی ہے، درود بھی۔

***

AL-RAZA International (Bimonthly)
Printed by: Ahmad Publications Pvt. Ltd. Qadri Manzil
Opp. Patna Collegiate School, Baripath, Patna, Bihar (India) 800004

القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ کی درسی مطبوعات

- نوائے عارفاں
- سچی نماز
- فارسی کی پہلی
- دستور ہند کی تدریس
- تسہیل المصادر
- منہاج العربیہ (اول۔دوم)
- گلزار دبستاں
- میزان ومنشعب
- چہل حدیث
- اسلام اور پردہ

القلم کی زیر طبع درسی کتابیں

- تاریخ اسلام کی تدریس
- گلستاں (پہلا اور آٹھواں باب: مع مشقی سوالات)
- فیض الادب (اول۔دوم)
- سیرت رسول کرم
- قصد الصیغہ

Printed at: **Ahmad Publications Pvt. Ltd.** Patna #8521889323